ایک نہایت دلچسپ

مزاحیہ

ناول

عفت موہانی

ناشر

نسیم انہونوی

نسیم بکڈپو ۲۵ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون آفس ۲۴۵۵۹ رہائش ۲۵۳۳۴

باہتمام عزیز الرحمن [illegible] از پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوا۔ جنوری سنہ ۷۶ء

سحابی نے گلدان بڑی میز پر رکھا، پنکھے کی جگہ بدلی اور سجے سجائے ڈرائنگ روم پر آخری ناقدانہ نظریں ڈال کر برآمدے میں نکل آئی۔ موسم نے خزاں کا لباس اتار پھینکا تھا اور سرسبز قبا پہن رہا تھا، مخملی سبزہ لان پر چمکنے لگا تھا، سورج کی شوخ کرنیں سبزے پر کروٹیں بدل رہی تھیں، باغبان پانی دے کر جا چکا تھا اور اب سوندھی سوندھی مٹی کی مہک ہواؤں پر چکرائی پھر رہی تھی۔

اُس نے گیلے بال جھٹکے اور برآمدے کی چمکیلی زمین پر ننھے ننھے موتی بکھر گئے۔ اُسے بہار و خزاں کا ملاپ شروع سے پسند تھا۔ بیلے کا زمانہ ختم ہو رہا تھا۔ صرف اِکّا دُکّا موٹی موٹی کلیاں اجڑی شاخوں سے چمٹی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے ایک کلی توڑی اور کان کے پیچھے، بیرنز میں اٹکالی۔

پھر پردہ سرکایا اور منڈیر پر جھک کر نیچے باغ میں جھانکنے لگی۔ روش روش نکھری ہوئی تھی۔ حوض میں لگا فوارہ شفاف پانی کے موتی رول رہا تھا۔ کیسا دلفریب ترنم تھا! اس نے ہلکے پھلکے ستون سے سر ٹیک دیا اور ننھی ننھی بوندیوں کا تماشہ دیکھنے لگی۔

یوں بھی وہ تھک چکی تھی۔ دن بھر گھر سجایا تھا اور ڈرائنگ روم کی سجاوٹ نے جان نکال کر رکھ دی تھی۔ اُسے ایسے واہیات کام نہایت گراں گزرتے۔ کاش! امی زندہ ہوتیں تو ایسے موقعوں پر اُسے الگ بٹھا دیتیں۔ اُسے تو بس اپنے مجبور اور خاموش ابی پر بے پناہ ترس آتا تھا۔ صرف انہی کے خیال سے وہ اچھے کام بھی سرانجام دے ڈالتی جو وہ دل سے ناپسند کرتی تھی۔

بھلا یہ بھی کوئی معقولیت تھی کہ اُسی کو "دیکھنے" "خواتین وحضرات" تشریف لانے والے ہوں اور اُن کی خاطر وہ اپنا گھر سجائے۔ بے شرمی بھی تو تھی۔ ابی ہزار خوشامدیں کرتے تب کہیں جاکر وہ پگھلتی۔ مگر اس شرط پر کہ ابی اس روز گھر سے چلے جائیں اور یہ شارب کا بچہ بھی اس کی صورت پر نازل نہ رہے۔

ابی بے چارے اس کی ہر خواہش کا احترام کرتے تھے۔ اگر انھیں گھر سے باہر کوئی کام نہ ہوتا، تب بھی بے چارے شیروانی پہن کر اور چھڑی ہاتھ میں لے کر چلے جاتے اور شارب کو تو وہ خود ہی دھکے دے دے کر گھر سے نکال باہر کرتی۔ وہ تو شیطان اور یوں منہ سکوڑ کر ہنستا تھا کہ بے چاری سحابی کو اچھا خاصہ رُلا کر دم لیتا۔

اندر اور باہر اب بھی سناٹا تھا۔ کچن میں خانساماں ضروری آرڈر کی تعمیل میں مصروف تھا۔ شارب پانچ بجے کالج سے آتا تھا۔

وہ لوگ جو سحابی کو دیکھنے آرہے تھے، ان کا وقت شاید چھ بجے تھا۔ ابی نے صاف صاف کہا بھی نہیں تھا۔ وہ خود ہی حجاب کرتے تھے۔ بھلا کیسے کہہ دیتے کہ تمھیں دیکھنے کے لیے عورتیں آنے والی ہیں، بن سنور کر تیّار ہو جانا۔

یہ دوسری نوبت تھی۔ پہلی مرتبہ کوئی مہینے بھر قبل دو تین خواتین آئی تھیں۔ انھوں نے اسے اس طرح دیکھا بھالا تھا جیسے قصائی جانور کو دیکھتا ہے۔ اُسے جی بھر کے پسند بھی کیا تھا۔ ایک ضعیف العمر بڑی بی نے اس کی پیشانی چومی تھی، ابی بہت خوش ہوئے تھے کہ وہ جلد ہی اس کے گرانبار فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ ان لوگوں میں حسب دستور لین دین کی بات چیت بھی ہو چکی تھی۔

مگر پتہ نہیں کیا ہوا تھا بات یکبارگی ختم ہو گئی تھی۔

ابی کچھ ملول و دل گرفتہ رہے تھے۔

شارب بھی اکھڑا اکھڑا، گالیاں دے دلو کر چپ چپ رہا تھا۔ وجہ تو کسی نے نہیں بتائی،

مگر وہ خود جی ہی جی میں خوش ہو گئی تھی۔ اچھا ہی ہوا۔ ابھی کون چاہتا تھا کہ ابی جیسے پیارے باپ اور شارب کے سے نٹ کھٹ چاہنے والے بھائی کو چھوڑ کر کہیں اور جائے۔

مگر اسے ابی پر ترس آنے لگتا۔ امی کے بعد کیسے نروس اور گم صم سے ہو کر رہ گئے تھے۔ نہ تو اب دوست احباب کے جمگھٹے تھے، نہ وہ ان کی دعوتوں پر دعوتیں۔ اب تو وہ بس کتاب و کرسی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ پہلے سرکاری انجینیئر تھے، لیکن خود ہی پنشن لے لی تھی۔ اپنا ذاتی مکان خرید لیا تھا اور دونوں بچوں کے ساتھ بڑی پرسکون اور بے غبار زندگی بسر کر رہے تھے

سحابی چاہتی تھی کہ بلا سے اس پر جو بھی گزرے، مگر وہ ابی کو اپنی فکر سے ہلکا کر دے۔ اسی لیے ان کا کہا پورا کر دیتی تھی۔

دھوپ میں زردی آ چلی تھی۔ اس نے اپنی بائیں کلائی پر نظریں دوڑائیں۔ ساڑھے چار بج چکے تھے، ملازم لڑکا اطلاع دے کر جا چکا تھا کہ ضیافت کا سارا سامان تیار تھا۔

"اللہ کرے کہ گدھے کے بچے نہ آئیں، راستہ بھول جائیں" وہ بڑبڑائی۔ بیحد بیزار ہو رہی تھی۔ عجیب قسم کی لڑکی تھی۔ تفریح کی شائق تو تھی ہی نہیں۔ لباس تبدیل کر کے کہیں آنا جانا اسے بے انتہا بوجھ لگتا۔ اگر کوئی بکواس کرنے والا گھر میں آ جاتا تو ہفتوں سر کا درد لیے پڑی رہتی۔ بس اسے یہی پسند تھا کہ اپنے کمرے میں ہوادار کھڑکی کے سامنے گدے دار کرسی پر بیٹھی رہے، میز پر تازہ ترین کتابوں کا انبار لگا ہو اور وہ دنیا ومافیہا سے غافل اپنی پسندیدہ کتابیں پڑھتی رہے۔

اب الجھن ستانے لگی تھی۔ بھلا سسرال میں یہ نادر شاہی کہاں چلے گی۔ معلوم نہیں کہ وہ احمق کس مزاج کا ملے گا۔ اس نے غصے کے مارے دانت پر دانت جکڑ لیے۔ جناب کو ہوش ہی میں رہنا پڑے گا۔ وہ کسی سے دبنے والی نہیں۔ گالیاں تو اسے فنٹاسٹ دینا آتی ہیں۔ حلیمن بوا سے سنے ہوئے کوسنے اور بد دعائیں بھی یاد ہو گئی ہیں۔ بھلا مقابلے پر کون تاب لا سکتا ہے۔ وہ مطمئن ہو گئی۔ ارے لا کھ ابی منع کریں گے، مگر جب جی جلے گا تو

دل سے بد دعا ہی نکلے گی۔ اور کیا۔ اس نے آج تک کسی کا رعب نہیں مانا ہے

دفعتہً پاس رکھا ہوا کرسٹل کا چمکدار گلاس ٹن سے بج اٹھا۔

اس نے چونک کر نگاہیں اٹھائیں۔

سامنے کی کوٹھی کی بالکونی میں کھڑا ہوا وہی آدمی سگریٹ پی رہا تھا جس کی شکل سے بھی اسے جلن لگتی تھی۔ اسی نے آج پھر گملے پر کنکر مارا تھا۔

کیا سمجھتا ہے یہ بدمعاش اپنے آپ کو؟ ابھی پل بھر میں مزاج درست کردوں گی۔

غصے کے مارے اس کے گال سرخ ہو گئے۔ اس نے فرش پر پڑا ہوا موٹا سا کنکر اٹھایا اور اسی پر کھینچ مارا۔ لیکن اس کا نشانہ چوک گیا۔ کنکر منڈیر سے ٹکرا کر باغ میں گر پڑا

"ایک بار پھر کوشش کیجئے!"

"نامراد" اس نے دانت پیس کر کہا۔ زن سے پردہ برابر کیا اور اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"بدمعاش، کمینے، پاجی۔ رہ تو جاؤ۔ اگر ابی سے کہکر تمہیں گھر سے نہ نکالا تو میرا نام بھی سحابی نہیں"

پتہ نہیں کون لوگ تھے؟ کوئی چھ ماہ پہلے مقابل کوٹھی میں آ کر رہے تھے۔ اکثر اس نے ایک سرخ و سفید موٹی تازی خاتون کو دالان میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ دو تین چھوٹے چھوٹے بچے تھے، کئی ایک ملازمین تھے، ایک صاحب بہادر نما بھاری بھرکم آدمی تھے اور ایک یہ بھی تھا۔ اونٹ کا سا قد، مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے کندھے۔ سر پر بالوں کا جنگل۔ اُف توبہ! ابی نے بتایا تھا کہ نظام کالج میں اکنومکس کا لکچرر ہے اور ریسرچ کر رہا ہے۔

خاک پڑے ایسے لیکچرر پہ۔ خود تو ہے ہی بدمعاش۔ پتہ نہیں اپنے طالب علموں کو کتنی بدمعاشی سکھا رہا ہے۔ بھلا کہیں لیکچرر ایسے لفنگے ہوتے ہیں۔

وہ بیٹھی پیچ و تاب کھاتی رہی۔ اس کی وجہ سے اس کا برآمدے میں نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ چھٹیوں میں تو وہ برآمدے میں ہی لیٹا مزے مزے سے سگریٹ کا دھواں اڑاتا اور دنیا بھر کے اخبار پڑھا کرتا تھا۔ وہ بے چاری اندر کمروں ہی میں گھٹا کرتی تھی۔ اگر کبھی شارب یا امی کو معلوم ہو جائے کہ اسی کو دیکھ کر اس بدمعاش نے کنکری پھینکی تھی تو وہ لوگ بھلا دل میں کیا سوچیں گے۔

اس نے اٹھ کر چپکے سے جھانکا۔

بیکر صاحب اپنی کین چیئر پر نیم دراز تھے اور ریل کی چمنی کی طرح دھواں اگل رہے تھے۔ اس نے دانت پیس کر برآمدے کے شٹر گرا دیے اور پاؤں پٹختی ہوئی اندر آ گئی۔ ملازمہ لڑکی رضیہ اس کے پاس آ بیٹھی۔ "بی بی! وہ لوگ تو ابھی تک نہیں آئے۔"

"کون لوگ؟"

"آپ کے ہونے والے ...."

"چپ رہ! میں کیا جانوں! اچھا سن رضیہ! یہ جو سامنے کوٹھی میں لوگ آئے ہیں نا! وہ کون ہیں؟"

"ارے ایک تو جناب ہاری بہنیں ہے بی بی! دوسرے صاحب پہاڑ میں پہاڑ۔ ان کے میاں ہوں گے۔ مگر وہ تین ننھے منے بچے۔ ہائے اللہ بی بی! وہ بچے ہیں دیکھے بچے ہیں۔ سنا ہے کہ ان کی ماں نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے صاحب نے بھیجا تھا ادھر۔ اپنے گھر کے امرود دینے گئی تھی۔ بس کافور کے ہوؤں ایسے بچوں کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئی۔"

"اچھا وہ کون ہے؟ ذرا اٹھ کے دیکھ! برآمدے میں بیٹھا پڑھ رہا ہے۔"

رضیہ نے لپک کر جھانکا اور پھر پاس آ کر بیٹھ گئی۔ "ہاں! یہ تو فا ان میاں ہیں۔ ایک بار آئے تھے سرکار کے پاس کارڈ لینے۔ ان کی کار بننے گئی تھی۔ انھیں بہت دور جانا تھا۔"

"آج سے پہلے تو نے یہ سب باتیں مجھے نہیں بتائیں۔" سجابی نے اس پر آنکھیں نکالیں۔ وہ ہنسنے لگی۔ "خدا خدا کیجئے سبتو بی بی! آپ نے پوچھی کب تھی کوئی بات۔"

"کیا نام بتایا تھا؟"

"کن کا؟"

"انھیں کا جو برآمدے میں مر رہے ہیں۔"

"فاران۔"

"اوئی اللہ! یہ بھی کوئی نام ہے۔ تو نے ڈھنگ سے پوچھا بھی تھا؟"

"میں کیوں پوچھنے لگی؟ واہ! میرا کام کیا تھا بھلا؟ پوچھنے کا۔ یہ تو ان کی ممی نے انھیں پکارا تھا، میں نے سن لیا۔"

"وہ ننھے منے بچے کس کے ہیں؟"

"بی بی میں پہلی مرتبہ ہی تو گئی تھی۔ ان کے گھر کی ساری باتیں کیسے جان لیتی؟ مگر آپ کو بڑی دلچسپی معلوم ہو رہی ہے۔"

"چل ہٹ! میں کیوں دلچسپی لیتی۔"

"مگر یہ صاحب ہیں بڑے اچھے۔" رضیہ نے چکر مکر دیدے نچائے "جب انھیں معلوم ہوا کہ میں اس گھر سے آئی ہوں تو بہت خوش ہوئے، امرود مجھ سے لیا۔ اور دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھانے لگے۔ پھر مجھے آتے وقت پانچ روپے انعام میں دیے کہنے لگے کہ........"

"پانچ روپے؟ اوئی اللہ۔ وہ کاہے کے؟"

رضیہ نے بھی آنکھیں پھاڑیں۔ "مجھے بھی نہیں معلوم۔ میں تو نہیں لے رہی تھی۔ زبردستی دے دیے اور بولے کہ "رضیہ بیگم! جب بھی امرود پک جائیں ہمیں یاد کر لینا۔ اکیلے اکیلے نہ کھانا۔ ہضم نہیں ہوں گے۔"

"ندیدہ کہیں کا۔ جیسے کہ ان کے باپ نے درخت لگایا ہے۔ اب جو خبردار اُدھر گئی تو ٹانگیں چیر کے پھینک دوں گی۔"

رضیہ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ "اے بی بی! خواہ مخواہ ان بے چارے سے کیوں خفا ہوتی ہو؛ کیا بگاڑتا ہے انھوں نے؟ دے دینا بے چاروں کو دو ایک امرود۔ ایسا کون سا نقصان ہوگا؟ پندرہ بیس تو مار کے گلہریاں اور طوطے کھا جاتے ہیں۔"

"تو نہیں سمجھتی میری بہن! وہ حضرت اندر سے بڑے لفنگے ہیں۔"

"چلو ہٹو بی بی۔ طوفان جوڑتی ہو بے چارے پر خواہ مخواہ۔"

سحابی نے نہایت خبرت انگیز طریقے پر اس حادثے کا تذکرہ کیا۔ کس طرح انھوں نے کنکری پھینک ماری تھی۔

رضیہ نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا "اچھا ٹھہرو! میں ان کی خبر لیتی ہوں۔"

"اے ہے! ایسا نہ کر۔ کوئی ہنگامہ کھڑا کر دے گی رضیہ کی بچی! جانے دے بات ابی اور شارب تک پہنچ جائے گی۔"

"بی بی! معاملہ ابھی نہ دبے گا تو سچ جانو کہ آج انھوں نے گملے پر کنکر پھینکا ہے۔ کل تم پر پھینکیں گے۔ میں تو پوچھے بغیر نہیں رہوں گی۔ اور ان کے پانچ روپے بھی پھینک آؤں گی۔ بڑے آئے کہیں سے لندن کے شہزادے۔"

سحابی نے سوچا ٹھیک تو کہتی ہے رضیہ۔ اگر ان حضرت کی گندی ہی نہ کی گئی تو پھر آیندہ کے لیے اسی کی جان کو خطرہ ہے۔ وہ اٹھ کر رضیہ کے پیچھے آئی اندر کی کے پٹ کے پیچھے چھپ گئی۔ رضیہ انھیں آواز دے چکی تھی۔ سحابی نے دراز سے جھانکا۔ دو سیاہ آنکھیں حیرت سے رضیہ کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ پھر ان میں جھنجھلاہٹ کی ہلکی سی چمک لہرائی۔ اور عنابی لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ آپ نے کنکری کیوں پھینکی تھی یہاں؟" رضیہ کی آواز میں غصہ نہیں تھا

پوشیدہ تبسم کی لرزش تھی۔ مگر سحابی نے محسوس نہیں کیا۔ وہ اماں کے جواب کی منتظر تھی۔ وہ اپنی بھاری آواز میں بولے "اوہو! رضیہ بیگم! آپ ہیں... کوئی شکایت ہے آپ کو مجھ سے؟"

"اگر وہ کنکری بی بی کے لگ جاتی تب؟"

"کون بی بی؟ میں نے تو کسی بی بی ٹی بی کو نہیں دیکھا۔ میں تو بیلے کی کلی توڑنا چاہتا تھا۔ اگر وہ ٹوٹ کے نیچے گرتی تو میں جا کے اٹھا لیتا۔ مگر وہ میری پہنچ سے دور نکلی۔ یا میری تقدیر میں نہیں تھی۔"

سحابی نے منہ سکوڑ لیا۔ خود ہوں گے ٹی بی کے مریض۔ میں کیوں ہونے لگی دھاندلی تو دیکھو۔ دس کوس سے بیلے کی کلی توڑنے چلے تھے۔ جھوٹے کہیں کے۔

"آپ کو چاہئیں کلیاں؟" رضیہ چڑیل بکواس پر اتر آئی۔

"کلیاں نہیں رضیہ بیگم! صرف ایک کلی۔"

وہ ہنس رہی تھی۔ پھر اس نے جھک کر ساری موٹی موٹی کلیاں توڑیں، انھیں پڑیا میں باندھا اور ان کی طرف پڑیا اچھال دی۔ انھوں نے بڑی مہارت سے پڑیا لپکی اور شرارت سے بولے:۔

"بہت بہت شکریہ! آپ نے اپنے گھر کی مہک میری طرف بھیج دی۔"

اتنے میں دالان سے شارب کی آواز سنائی دی۔ رضیہ نے جلدی سے منہ موڑ لیا اور دونوں باہر نکل آئیں۔ سحابی کے دل سے بوجھ سرکا۔ خواہ مخواہ بیچارے ہمسایے سے دشمنی باندھے بیٹھی تھی۔

"آہا بجو! گھر کو جنت کر دیا" شارب نے اپنا فائل رضیہ پر اچھال دیا اور پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونس کر گھوم گھوم کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر سحابی کو ستانے کی خاطر بولا "ہاں بھئی! تمھیں بڑا ارمان ہے سسرال جانے کا ارے

بڑھاپے کی تعریف کریں گے اور پھر جلد ہی تمھارا پیغام ———"

"چپ ہو جا شتر مرغ!" وہ بھنّا کر بولی۔ "میری بلا کو بھی غرض نہیں پڑی ہے سسرال جائے قبرستان میں۔ یہ تو میں نے ابّی کا حکم مانا ہے۔"

"ہائیں ہائیں! بجّو! خواہ مخواہ بے گناہ سسرال کو قبرستان میں کیوں بھیج رہی ہو۔ ان میں میرے دولھا بھائی بھی تو ہوں گے۔ بھئی ان کا قبرستان تشریف لے جانا ہم ایک منٹ کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"اچھا اچھا! اپنا گھوڑے کا سا منہ دھوڈو تو پھر جائے وائے منگاؤں۔" وہ جل کر بولی۔ "خواہ مخواہ تمھارے انتظار میں سوکھتی ہوں۔ کل سے میں اپنے اکیلے اکیلے پی کے چھٹی کروں گی۔"

"میری پیاری دلاری بجّو!" وہ اس کے چمٹ گیا اور پھر سر سے اوپر اٹھا کر اسے تین چار چک پھیریاں دیں کہ سحابی چیخ چیخ پڑی۔ اس نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر جھنجھوڑے تب کہیں جا کر شارب نے اسے کھڑا کیا اور خود ہنستا ہوا ڈش اسٹینڈ پر جھک گیا۔ رضیہ چائے لے آئی۔

"ابّی نہیں آئے ابھی تک؟" وہ تولیے سے منہ پونچھتا ہوا کرسی پر جم گیا۔

"جاؤ دیکھ آؤ۔ عمر چچا کے یہاں بیٹھے شطرنج کھیل رہے ہوں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے چچا نے انھیں چائے پلا دی ہوگی۔"

سحابی کو ہنسی آ گئی۔ شارب بولا:

"بھئی باجی! تم بہت زیادتی کرتی ہو ابّی کے ساتھ۔"

اس نے بھوئیں تان کر اسے گھورا۔

"جب بھی تمھاری سسرال والے نازل ہوتے ہیں، تم اس قدر اتراتی ہو کہ ابّی کو گھر سے بھگا دیتی ہو۔"

"کمینے ہو تم" وہ جھلا گئی "اب مجھے شرم آتی ہو تو کیا کروں؟"

"شرم تو اچھی چیز ہے" وہ بزرگوں کی طرح سنجیدگی سے بولا "اچھا بجواب تم جلدی سے کپڑے وپڑے بدل کے تیار ہو جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے لوگ آتے ہوں گے۔"

"دھت!" وہ بولی۔ شارب حیران رہ گیا۔

"اُفوہ! بجیا تم تو بالکل گنوارن کر رہ گئی ہو۔ کون کہے گا کہ تم نے فرسٹ ڈویژن میں ایم۔اے پاس کیا ہے۔ عین مین جاہل چھوکریوں کی طرح 'دھت' بولنے لگی ہو۔ لاؤ ساڑی واڑی کہاں ہے؟ میں ہی الٹا سیدھا لپیٹ دوں۔ رضیہ میک اپ کر دے گی۔"

"جاؤ یہاں سے۔ گرم کیتلی اُٹھا کے سر پر انڈیل دوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر میں نے ڈاکٹر صاحب کی بیگم کو عین تمہارے سر پر لا کر نہ کھڑا کر دیا تو کچھ کام نہ کیا۔" اس نے جلدی جلدی چائے پی اور کیک کھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

"اٹھو بی بی!" رضیہ برتن سمیٹتی ہوئی بولی "سچ تو ہے۔ وہ لوگ آتے ہی ہونگے۔"

"رضیہ دیکھ۔ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔"

"کیا کریں بی بی؟ زمانے کا چلن ایسا منحوس نکلا ہے کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"کون سے کپڑے پہنوں؟" وہ نیم راضی ہو گئی۔

"وہ نائیلون جوجی کی ساڑی جو لائی تھیں اس دن۔ وہی پہن لو۔ بڑی اچھی ہے۔"

"اچھا، مگر اب تک ابی کیوں نہیں آئے؟"

اور اسی وقت سید صاحب بھی آ گئے۔ سحابی کو باپ کے سامنے کھڑے ہوتے بڑی شرم آئی۔ چپکے سے رضیہ سے بولی:

"ابی کے لیے گرم چائے لے آؤ۔ بادام کے لوز بھی الماری میں رکھے ہیں۔"

وہ بھی لیتی آنا۔"

"بیٹی! ہم محمد عمر کے یہاں چائے پی چکے۔" سید صاحب نے کہا۔ پھر شیروانی اُتار کر اس کی طرف بڑھا دی اور تخت پر لیٹ گئے۔ پھر تھکن کی آہ بھر کر بولے "اب ہم بہت جلدی تھک جاتے ہیں۔ دس قدم پر محمد بھائی کا گھر ہے وہاں سے یہاں تک آتے ہوئے سانس پھولنے لگی۔"

"تھوڑی سی چائے پی لیجئے صاحب!" رضیہ ان کی ایڑیاں دباتی ہوئی بڑی محبت سے بولی۔

"اچھا بیٹی لے آؤ! پیالی بھر کے نہ لانا۔ مگر خوب گرم ہو۔"

"ابھی لائی صاحب!" رضیہ بولی۔ سید صاحب نے رُخ پھیر کر دیکھا۔ حالی موقع سے فائدہ اٹھا کر رفو چکر ہو چکی تھی۔ ایک مضمحل مسکراہٹ ان کے لبوں پر رینگ آئی۔ کاش! آج کے دن عصمت زندہ ہوتیں۔ ماں جو کچھ کر سکتی ہے وہ باپ نہیں کر سکتا۔ انھوں نے تو بے موقع ساتھ چھوڑا تھا۔ ابھی تو شارب ہی انگوٹھا چوس رہا تھا۔ جب وہ دنیا سے منہ موڑ گئیں، سید صاحب نے دس سال کی روتی بلکتی بچی اور سات سال کے ناسمجھ بچے کو کتنی صعوبتیں برداشت کر کے پالا پوسا تھا۔ یہ اُن ہی کا دل جانتا تھا۔ دوست احباب نے انہیں دوسری شادی کا مشورہ بھی دیا تھا۔ مگر وہ راضی نہیں ہوئے۔ ابھی وہ خود جوان تھے۔ اکثر آدمی کے فطری تقاضے انھیں اُبھارتے تھے کہ وہ دوستوں کا مشورہ قبول کر لیں۔ لیکن جب بچی کے معصوم چہرے پر نظر پڑتی اور شارب کی ناسمجھی کا خیال آتا، وہ بڑی سختی سے اپنے جذبات کو کچل ڈالتے۔ یہ معصوم بچے جو انہیں کو ماں بھی سمجھتے تھے۔ ان پر اپنی محبت کا سارا سرمایہ نچھاور کرتے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنے باپ سے کون سے پیرایے میں محبت کریں۔ پھر ان کا حشر کیا ہوگا۔ نہ جانے سوتیلی ماں کیسی آئے۔ نہ جانے اس کی محبت میں ڈوب کر وہ

خود اپنے بچوں سے منحرف ہو جائیں۔ انھوں نے بے شمار قصے اس قسم کے پڑھے تھے۔ بہت سے واقعات ایسے دیکھے تھے۔ انھوں نے اپنی تمام تر توجہ اپنے بچوں پر لگا دی جس طرح ایک چاہنے والی ماں اولاد کی تربیت کرتی ہے، اسی طرح ماں بن کر سحابی و شارب کے کردار و عادات کو نکھارا اور سنوارا، ان کی عمدہ تربیت کی، اعلیٰ تعلیم دلائی وہ مذہب کے سچے پرستار تھے۔ رضا بالقضا کے ماننے والے، تقدیر اور مشیتِ الٰہی کے معتقد۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں بچے مغربی تعلیم و تربیت کے باوجود مشرقی تہذیب اور اپنے مذہب پر سختی سے کاربند تھے۔ نماز کا ان کے گھر میں بہت چرچا تھا۔ سید صاحب تہجد گزار تھے۔ وہ دنیا میں رہتے تھے صرف اپنے بچوں کی خاطر۔ ویسے ان کا دل ایسا سرد ہو چکا تھا کہ انھوں نے خود کو مکمل طور پر یادِ الٰہی میں گم کر رکھا تھا۔ عمر ایسی زیادہ نہیں تھی۔ بہ مشکل پچپن سال کے ہوں گے، مگر خود کو بہت بزرگ سمجھتے تھے۔

رضیہ چائے لائی۔ اور چائے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔ شارب بھی آگیا تھا۔ دونوں باپ بیٹے سحابی کے سلسلے میں باتیں کرنے لگے۔

"کیا یہ صاحب بھی چھوٹتے ہی دس پندرہ ہزار مانگ بیٹھیں گے ابی؟" شارب بُرا سا منہ بنا کر بولا "میں کہتا ہوں یہ کم بخت انجینیر، ڈاکٹر اور نہ جانے کون سے الّو کے پٹھے ہوتے ہیں۔ تجوریاں بھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر لڑکی والوں سے بھیک مانگنے ضرور جاتے ہیں۔"

"رسم بن گئی ہے" سید صاحب نے کہا اور بات ٹال دی۔ "پتہ نہیں یہ حضرات ابھی تک آئے کیوں نہیں۔ کہیں مشتاطر راستہ تو نہیں بھول گئے۔"

"باجی بہت جھنجھلاتی ہیں۔"

"ہر غیرت مند لڑکی کو جھنجھلانا چاہیئے۔"

"ابی! پھر آپ کیوں اس رسم کی تائید کرتے ہیں؟"

"بیٹے! ہم تم بھی تو اسی زمانے میں جیتے ہیں۔ اگر زمانے کی ہوا کے ساتھ نہیں چلیں گے تو پھر بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ یوں بھی ہمارے آگے لڑکی ہے۔ کس منہ سے رسم کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ بیٹا! اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔"

"ابی! میں بھی اپنی ہونے والی سسرال سے کم از کم بیس ہزار ضرور مانگوں گا۔"

"فضول باتیں نہ کیا کرو!"

کسی نے کال بل بجائی، شارب جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شاید وہ لوگ آ گئے۔ مگر جب وہ واپس پلٹا تو اس کے ساتھ اس کے پڑوسی محمد احسان احمد صاحب تھے سید صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا اور شارب سے کہا کہ اندر چائے کے لیے کہہ آئے۔

"نہیں جناب! چائے کا تکلف بالکل نہ کیجئے۔" وہ مسکرا کر سید صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور شارب کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی بٹھا لیا۔ "میں حضور کو ایک دوسری زحمت دینے آیا تھا۔"

"فرمائیے! فرمائیے!"

"اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں آپ کی گاڑی آئندہ اتوار تک اپنے پاس ——"

"بڑے شوق سے میاں۔ ہم تو کہیں آتے جاتے نہیں۔ شارب کے پاس اس کا اسکوٹر ہے۔ یوں بھی کار گیراج میں بند رہتی تھی۔ کیا حرج ہے کہ آپ کے کام آئے۔ آپ غالباً کہیں پڑھاتے ہیں؟"

"جی! نظام کالج میں معاشیات کا لیکچرر ہوں۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ غنیمت ہوا کہ آپ کا سا ہمسایہ ملا۔ ورنہ ہم تو ڈر رہے تھے کہ نہ جانے کیسے لوگ ملیں۔ جو ہمارے باغ کا بھی ستیاناس کر دیں۔"

سیدہ صاحب ہنسے۔

"یہ کرایہ دار نہیں ابّی! آپ نے تو کوٹھی خرید لی ہے۔" شارب بولا۔

"واقعی؟" سید صاحب مزید خوش ہوئے۔

"جی ہاں!" احسان صاحب نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"صاحبزادے! کسی دن اپنے والد ماجد سے ملایئے۔" سید صاحب نے کہا۔ "اچھے پڑوسی خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔"

"جی بہت اچھا! ضرور ملاؤں گا۔ جس روز جناب کی گاڑی لاؤں گا اسی روز ڈیڈی کو بھی لیتا آؤں گا اسی گاڑی میں۔"

شارب ہنسنے لگا۔ پھر کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی۔ احسان اٹھنے لگے۔ سید صاحب نے بٹھا لیا اور بولے "آج بجّی کی نسبت کے سلسلے میں کچھ لوگ آنے والے ہیں۔۔۔۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی گفتگو میں شریک رہیں۔۔۔۔ کیا حرج ہے۔"

احسان بے چون و چرا پھر بیٹھ گئے۔ شارب واپس آیا۔ اس کے ساتھ چار بڑے معزز حضرات تھے۔ جدید ترین فیشن کے مظہر معلوم ہو رہے تھے۔ بڑا قیمتی اور عمدہ تراش خراش کا لباس تھا۔ سینٹ اور تیز قسم کے عطر سے سید صاحب کا ڈرائنگ روم مہک اٹھا۔ رسمی مگر بے پناہ علیک سلیک کے بعد سب ادھر ادھر بیٹھ گئے۔ پہلے تو معمولی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ کچھ موسم کے متعلق، کچھ گرانی پر اور پھر سیاسی معاملات پر تبصرہ ہوتا رہا۔ شارب الگ تھلگ بیٹھا انگلیاں چٹخاتا رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا ان کے ساتھ خواتین نہیں ہیں۔ بھلا باجی ان مردوں کے سامنے کیسے آئیں گی اور میں یہ صورت حال کیونکر گوارا کر سکتا ہوں۔"

"غالباً آپ میں ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے بھی ہیں۔" سید صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب!" ایک صاحب نے کہا، جنھوں نے تعارف کرایا تھا کہ وہ صاحبزادے

موصوف کے بڑے بہنوئی تھے۔ ایک قبول صورت مگر ہپّی ڈیزائن صاحبزادے کی طرف اشارہ کر کے بولے "انھوں نے اسی سال سائنس سے ماسٹرس ڈگری لی ہے۔ عنقریب جونیئر کالج میں بحیثیت سینیئر لیکچرر ان کا تقرر ہونے والا ہے۔"

"ماشاء اللہ... خدا مبارک کرے" سید صاحب نے کہا۔ پھر کچھ رک کر بولے "میں نے جو ضروری معلومات پیغامبر کے ہاتھ بھجوادی تھیں وہ آپ نے ملاحظہ فرمائی ہونگی۔"

"جی ہاں" دوسرے صاحب نے کہا "جناب نے آخری گفتگو کے سلسلے میں ہمیں طلب فرمایا تھا اور خواہش ظاہر کی تھی کہ اقبال میاں کو بھی آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہذا۔ میری گزارش ہے کہ اگر ضروری گفتگو مکمل کرلی جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ جناب عالی ہم سب سرکاری ملازم ہیں۔ سوائے اتوار کے چھٹی نہیں ملتی۔ اور شام کو دفتر سے واپسی پر طبیعت اتنی تھک جاتی ہے کہ پھر کہیں آنے جانے کا جی نہیں چاہتا۔"

"مستورات تشریف نہیں لائیں؟" سید صاحب نے پوچھا۔

"غالباً آپ کو علم نہیں ہے جناب" ایک صاحب نے کہا "اقبال میاں کی والدہ حیات نہیں ہیں۔ ہمشیرہ بسلسلۂ ولادت ہسپتال میں ہیں۔ والدہ محترمہ ہیں چل پھر نہیں سکتے۔ لہذا آپ مناسب سمجھئے تو صاحبزادی صاحبہ کو ہم ہی لوگ دیکھ لیں۔ خدا نے چاہا تو عزیزداری تو ہو ہی جائے گی۔ اس میں کیا قباحت ہے؟"

بیک وقت سید صاحب، احسان اور شاداب کی نظریں آپس میں ملیں۔ سید صاحب کے چہرے پر بے بسی طاری تھی۔ شاداب بھنا گیا تھا۔ احسان کے چہرے پر ناگواری تھی۔ سید صاحب اس رشتے کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ بار بار رشتوں کی آمد اور دیکھنے سننے کی نامعقول رسم سے تنگ آگئے تھے۔ یہ رشتہ اچھا تھا۔ مگر وہ گومگو میں تھے۔ کیا معلوم سحابی ان پانچ غیر مردوں کے سامنے آنا پسند کرے کہ نہ کرے۔ جانتے تھے کہ وہ جلتی پھرتی بجلی، لپکتا ہوا شعلہ تھی۔ انھوں نے شاداب سے کہا۔ "میاں! اندر پوچھنا

اگر وہ راضی ہو تو پھر ـــــ" شارب ان کی بودی بات سنے بغیر چلا گیا۔ رضیہ نے خوشامدیں کر کر کے سحابی کو خوبصورت لباس پہنا کر اور بنا سنوار کر گڑیا بنا دیا تھا۔ شارب کو دیکھتے ہی سحابی کے بدن میں سردی دوڑ گئی۔ رضیہ نے پوچھا:

"بھیا! عورتیں اندر نہیں آئیں؛ کیا وہ باہر ہی بی بی کو دیکھیں گی؟"

"کہاں کی عورتیں۔ نالائقوں کے پاس کوئی عورت ہی نہیں ہے۔ صرف چار چار مرد منہ اٹھائے چلے آئے ہیں۔ باجی کو وہی لوگ دیکھیں گے۔" شارب نے ہونٹ کاٹ کاٹ کر بتایا۔

"مردوے دیکھیں گے۔ ہائے اللہ۔" رضیہ نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ہاں ہاں۔ اب تم اور امی مل کر مجھے مردودوں میں بٹھال دو۔ ایسی ہی تو بوجھ ہوں تمھاری چھاتی پر۔" سحابی چیخ کر بولی۔ "نکٹے بے غیرت! مجھے سنانے کیا آیا ہے۔ وہیں ایک ایک طمانچہ ان کے منہ پر مار کر باہر نہیں بھگا آیا۔ ہائے میرے اللہ۔ اب میں امی کے سامنے کیا منہ لے کر نکلوں گی۔" وہ روتے بیٹھ گئی۔

شارب بدحواس ہو گیا۔ جانتا تھا کہ بجیا بے تکان بچے ادھیڑیں گی۔ دو منٹ کھڑا رہا۔ پھر کچھ سوچتا ہوا باہر چلا گیا۔ سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"امی! اگر آپ فرمائیے تو میں باجی کی تصویر البم سے نکال لاؤں۔ وہ تو سامنے آنے پر ہرگز آمادہ نہیں۔"

ناچار سب نے اسی کی تجویز منظور کر لی۔ شارب سحابی کی تازہ تصویر البم سے نکال لایا۔ جسے باری باری سب نے دیکھا۔ سید صاحب بے چارے چپ بیٹھے رہے۔ پھر چائے پی کر وہ لوگ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ عنقریب بات پختہ کر دی جائے گی۔ لین دین کے بارے میں بھی پیغامبر سے کہلوا دیا جائے گا۔"

سب انھیں رخصت کرنے پورچ تک آئے۔ ان کے جانے کے بعد احسان احمد نے سید صاحب سے کہا "مجھے تو صاحبزادے بہت معقول معلوم ہو رہے ہیں۔ آپ رشتہ طے کر لیجیے"

"ہمارے ساتھ یہ مجبوری ہے بھائی صاحب! کہ ہمارے یہاں بھی کوئی عورت نہیں" شارب بولا "رشتے کی بات چیت کرنا نہ تو مجھے معلوم ہے نہ ابّی کو۔"

"میں ایسے معاملات بہت سلجھا چکا ہوں۔ چنانچہ اپنی چار خالہ زاد بہنوں، پانچ چچازاد بہنوں کی شادیاں کرا چکا ہوں" احسان احمد نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "آپ اگر فرمائیے تو اس رشتے کو بھی طے کرا دوں"

"زہے نصیب کہ آپ ہم پر یہ احسان کریں" سید صاحب متاثر ہو گئے۔

"شرمندہ نہ کیجیے محترم! میرا تو نام ہی احسان ہے" وہ ہنسے۔ اخلاقاً وہ سب بھی ہنسنے لگے۔

"میاں آپ شادی شدہ ہیں" سید صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں" وہ شرمائے۔

"ماشاءاللہ کتنے بچے ہیں؟"

"جی فی الحال تو صرف تین عدد ہیں" انھوں نے اس لب و لہجہ میں کہا کہ سید صاحب کو ہنسی آگئی۔

"وہ جو پیارے پیارے تین بچے ہمارے باغ میں کھیلا کرتے ہیں۔ وہ آپ ہی کے ہیں؟" شارب خوش ہو کر بولا۔

"جی ہاں۔" احسان نے کہا۔ پھر بولے "اچھا جناب میں اب اجازت چاہتا ہوں۔ آپ ان لوگوں کا پتہ مجھے عنایت کر دیجیے۔ عنقریب مل کر سارے معاملات طے کرا دوں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھ ناچیز کو آپ نے اتنی سرفرازی عطا

فرمائی"۔

"میاں ہم آپ کے خلوص اور سعادت مندی سے بہت متاثر ہیں۔ اللہ آپ کے درجات بلند کرے۔ آج کل آپ کے سے شریف اور مخلص نوجوان کہاں ہیں؟"

سیّد صاحب بہت خلوص سے بولے اور ڈاکٹر صاحب کا پتہ انھیں بتا دیا۔ پھر جب وہ گاڑی کا شکریہ وغیرہ ادا کر کے چلے گئے تو سیّد صاحب نے آہ بھر کر کہا "کتنا اچھا لڑکا ہے! صورت ہی سے ہمدرد اور شریف معلوم ہوتا ہے۔ مگر میاں، ہماری بدقسمتی کہ اچھے لڑکے شادی شدہ نکلتے ہیں . . . "

شاذب بھی متاثر ہو گیا تھا۔ پھر سیّد صاحب عشا کی نماز کے سلسلے میں مسجد چلے گئے۔ شاذب نے سوچا کہ سحابی کی تصویر چپکے سے البم میں چپکا دے ورنہ باجی حشر اٹھائیں گی۔ اس نے میز پر اخباروں کے نیچے تصویر تلاش کی مگر وہ کہیں نہیں ملی۔ اس نے بڑے غصے سے سوچا کہ شاید انہی لوگوں میں سے کسی نے جیب میں اتار لی ہو۔ اب تو باجی سے چھپانا ہی پڑے گا۔ احتیاط سے البم الماری میں رکھ دیا اور اندر آ کر تخت پر لیٹ گیا۔ رضیہ نے بڑے شوق سے پوچھا:

"بھیا! کیا ہوا؟ طے ہو گئی شادی؟"

"ہو تو گئی۔ مگر ڈاکٹر صاحب ایک شرط لگا گئے ہیں۔"

"شرطیں نگوڑی تو لگتی ہی ہیں" رضیہ جل کر بولی۔ "کیا شرط ہے؟"

"وہ کہتے ہیں کہ اگر لڑکی کے ساتھ اس کی سہیلی کی بھی شادی ہو گی تو کریں گے ورنہ نہیں۔ بڑی مشکل ہے رضیہ بیگم!"

رضیہ شرمائی۔ "مذاق مت کرو بھیا۔ سچ سچ بولو نا۔"

جواب میں شاذب نے تفصیل سے سارے واقعات سنا دیے۔ سحابی ریڈیو گرام کے پاس ایزی چیئر پر لیٹی اپنا سویٹر بن رہی تھی۔ رضیہ چہکی:

"تو پھر کب ہوگی شادی؟"

"کیا شادی شادی لگا رکھی ہے" سحابی چیخ کر بولی "بڑی آرزو لپھٹے پڑی ہے۔ میں امی سے کہہ دوں گی۔ اس چڑیل کو پہلے گھر سے نکالیں"

"رضیہ بیگم! ہمیں تو تم بڑی اچھی لگتی ہو" شارب نے کہا۔

"منع کرلو بی بی!" سحابی کو جھنجھوڑ کر رضیہ نے احتجاج کیا۔

"کون سی ایسی بری بات کہہ دی میں نے" شارب بولا "کیا اپنی پسند کا اظہار کرنا بھی گناہ ہے؟"

"اڑا لیجئے مذاق" رضیہ نے رنجیدہ ہو کر کہا "میں آپ کی ملازمہ نہ ہوتی تو آپ ایسا کیوں کہتے"

شارب کھسیا گیا "اچھا بابا معاف کردو۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تم مذاق سے بھی چڑھتی ہو"

کھانے کے بعد شارب اپنے کمرے میں جا کر اسٹڈی کرنے لگا، سید صاحب اپنی خوابگاہ میں چلے گئے۔ کچھ دیر سحابی اور رضیہ دالان میں بیٹھی ریڈیو سنتی رہیں پھر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ رضیہ سحابی کے کمرے ہی میں سوتی تھی۔ وہ اس کی بہت وفادار ملازمہ تھی۔ اس کے ماں باپ بھی اسی گھر کی خدمت کر کے ختم ہوئے تھے۔ سید صاحب نے یتیم لڑکی کو اپنے زیر سایہ رکھ لیا۔ اس کے ماں باپ بہت نمک حلال اور وفادار تھے۔ رضیہ بھی ایسی ہی تھی۔ سحابی کی رازدار سہیلی تو تھی ہی۔ گھر کی واحد منتظمہ بھی تھی۔ اسی نے سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔ دوسرے ملازم اس کے چارج میں تھے۔ اس کی نمایاں پوزیشن دیکھ کر کسی نوکر کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اسے کچھ کہہ سکے۔ رضیہ نے بھی خود کو سب سے الگ تھلگ رکھا تھا۔ وہ اپنی بی بی کی محبت کے نشے میں گم رہتی۔ سحابی اسے بہت چاہتی تھی۔ غرض رضیہ اس سے

بہت چھوٹی تھی۔ مگر سحابی اسے برابری کا درجہ دیتی۔ وہ بہت تمیزدار، عقلمند اور شریف لڑکی تھی۔ سحابی نے اسے مختارِ کل بنا رکھا تھا۔ حتیٰ کہ خرچ کی رقم بھی رضیہ ہی کی تحویل میں رہا کرتی۔ کوئی بات ایسی نہ تھی جو سحابی اسے نہ بتاتی ہو۔

اپنے کمرے میں آ کر جب سحابی پلنگ پر لیٹ گئی تو رضیہ بھی ٹرانسفارم آن کر کے اپنی صاف ستھری چوکی پر آ لیٹی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ بولی "تو تم اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی بی بی۔ اللہ تمھیں گھربار کا ہونا مبارک کرے۔ مگر میں اور صاحب تمھارے پیچھے کیا کریں گے؟"

"دفع کرو یہ خوفناک باتیں" سحابی نے کہا "مجھے سہم چڑھتا ہے۔ میں تو اللہ میاں سے دعا مانگتی ہوں۔ میں کبھی اپنے ابّی سے جدا نہ ہوں۔ تم بھی تو دیکھتی ہو رضیہ! ابّی بے چارے کیسے گم صم اور رنجیدہ سے ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"لڑکی کے سسرال جانے کی رسم بھی نگوڑی کیسی عجیب ہے" رضیہ بولی "اللہ بخشے بیری بڑی بی بی کو۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ گھر داماد ڈھونڈھوں گی۔ صاحب کیوں نہیں کوشش کرتے۔"

"اللہ اب ختم کرو رضیہ! مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"بی بی! بات چیت پختہ ہو گئی تو پتہ نہیں کب آپ کو رخصت کر دیں۔"

"اللہ کو جو منظور ہو گا وہ ہو گا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

دفعتہً پڑوس کے مکان سے بڑی دلکش لے میں وائلن بجنے کی آواز آئی سحابی نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ سامنے ہی برآمدے میں اس کے پڑوسی لیکچرر صاحب کھڑے وائلن کے تاروں پر اسٹک پھیر رہے تھے۔ سناٹے میں نغمہ جادو بھرا لگ رہا تھا۔ جیسے ہی روشنی کے پیش منظر میں کھڑی ہوئی سحابی انھیں نظر آئی انھوں نے داد طلب انداز میں اس طرح گردن خم کی کہ سحابی کے آگ لگ گئی۔ اس نے پھٹاک سے

کھڑکی بند کی - باجا بند ہوگیا - ایک بلند قہقہہ سحابی کے کانوں سے ٹکرایا - وہ بستر پر آلیٹی اور جب تک نیند نے اس کی پلکیں نہ بند کردیں، پڑی پیچ وتاب کھایا کی -

صبح نہایت حسین اور نکھری ستھری تھی - کئی روز کے بعد بادل پھٹے تھے - سورج کی تیز کرنیں دُھلے دُھلائے درختوں کو جگمگا رہی تھیں - سبزے پر پڑوسی کے تین چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے - ان کے ساتھ ایک کرسچین گورنس تھی - دو لڑکے بڑے تھے - بچی بہت چھوٹی سی تھی - بمشکل دو ڈھائی برس کی رہی ہوگی - اس کے بھائی اُسے کھلا رہے تھے - سحابی اپنی کھڑکی سے انھیں دیکھ رہی تھی - کیسے خوبصورت اور صحتمند بچے تھے - پتہ نہیں اُن کے ماں باپ کیسے خوبصورت ہوں گے - اس کا دل بہت چاہتا تھا ان لوگوں سے ملاقات کرے - مگر فاران کا خیال کرکے رک جاتی تھی - وہ تو اسے ایک منٹ کو پسند نہیں تھا - یہ لمبا چوڑا ڈیل ڈول، سر پر بالوں کا بے ترتیب جھنڈ - جب دیکھو منہ سے دھواں اگل رہے ہیں - سگرٹوں کی بھرمار تھی - اس نے ان حضرت کو ان بچوں کے ساتھ اچھل کود کرتے بھی دیکھا تھا - اور بہت بُرا کھلا کہا تھا بچہ بن گئے ہیں - ذرا بھی خیال نہیں کہ ہاتھی کا سا بدن رکھ کر اس طرح کی حرکتیں کرتے کیسے واہیات لگتے ہیں - وہ خواہ مخواہ ان سے خار کھائے بیٹھی تھی -

کہیں اندر دالان سے گھنٹے نے نو بجائے - فاران اپنے برآمدے کی گھومی ہوئی سیڑھیاں اتر کر باغ میں آئے - انھوں نے بڑا قیمتی اور بہترین تراش کا سوٹ پہن رکھا تھا - ان کا نمایاں قد و قامت زیادہ شاندار لگ رہا تھا - بچے اُن سے چمٹ گئے - انھوں نے بچی کو گود میں اٹھایا اور پیار سے اس کے بال سنوارنے لگے - سحابی

نے کھڑکی بند کردی اور دروازے سے جھانکنے لگی۔ وہ انگریزی میں گورنس سے کہہ رہے تھے

"میں جا رہا ہوں مس جیکب۔ آج ممی گھر پر نہیں ہیں۔ بچوں کا خیال رکھنا خبردار کہ یہ ہرگز رونے نہ پائیں۔ میں جلدی چلا آؤں گا۔ آج اگر ضروری میٹنگ نہ ہوتی تو میں بچوں کو چھوڑ کے نہ جاتا۔"

"بے فکر ہو کر جائیے مسٹر فاران! بچے مجھ سے مانوس ہو گئے ہیں۔ میں بھی ان کا بہت خیال رکھوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کو اس کا علیحدہ انعام دوں گا۔ سنئے! جب دھوپ تیز ہو جائے تو انھیں اندر لے جائیے۔"

"جی بہت اچھا۔"

"میں ایک بجے تک آ جاؤں گا۔ انھیں فیڈر کے بعد سلا دیجئے گا۔"

"جی۔"

انھوں نے بے بی کی پیشانی چومی۔ بچوں کو چاکلیٹ دیے اور انھیں گورنس کے سپرد کر کے آگے بڑھ گئے۔ سحابی نے سوچا۔ انھیں ان بچوں سے غایت درجہ کی محبت معلوم ہوتی ہے۔ پتہ نہیں انھیں کے بچے ہیں۔ وہ انھیں جاتے دیکھا کی۔ جب کار چلی گئی تو اس نے سوچا کہ وہ تو ایک بجے تک آئیں گے تو کیا حرج ہے کہ وہ باغ میں اتر کر بچوں کے پاس جائے۔ باغ دونوں کوٹھیوں کے درمیان مشترک تھا۔ بیچ میں ایک پتلی سی نہر تھی۔ جو انھیں الگ الگ تقسیم کرتی تھی۔ ویسے اسے پھلانگ کر آنا جانا ایسا مشکل نہیں تھا۔ پچھلے کرایہ داروں نے کناروں پر تختہ رکھ کر راستہ بنا لیا تھا اور بآسانی اِدھر سے اُدھر آتے جاتے تھے۔

اس نے اندر سے اپنا کمرہ بند کیا اور لباس درست کرتی ہوئی زینہ طے کرنے لگی۔ خدمتہ بھی لگا ہوا تھا۔ سید صاحب ان کا کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے

اس نے نہر محسوس کی اور چپکے سے جا کر جھولے کی ڈوریاں پکڑ کے انھیں دیکھنے لگی۔ یہ محسوس کر کے اُسے سخت ترین حیرت ہوئی کہ یہ ننھے منے بچے بہترین انگریزی بول رہے تھے۔ حتیٰ کہ ڈھائی سال کی بے بی بھی اپنی توتلی زبان میں انگریزی ہی بول رہی تھی۔ اچانک گورنس کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں وہ تعارفی طریقے سے مسکرائی۔ سحابی نے بھی مسکرا کر کہا "بہت پیارے پیارے بچے ہیں......"

مجبوراً اُسے بھی انگریزی ہانکنی پڑی۔

"ہاں بہت" گورنس بولی۔

"بڑی اچھی انگلش بولتے ہیں"

"ہاں حال ہی میں امریکہ سے واپس آئے ہیں"

"امریکہ سے۔ شاید وہیں پیدا ہوئے تھے"

"معلوم نہیں۔ میں ابھی ہفتہ بھر پہلے یہاں آئی ہوں۔ کیا وہ نیلی کوٹھی آپ کی ہے؟"

"ہاں" ان کی امی کہاں ہیں؟"

"میں نے ان کی امی کو کہیں نہیں دیکھا۔"

"ابا کو تو دیکھا ہوگا؟"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اپنے بچوں کو بے پناہ چاہتے ہیں"

اس نے سوچا کہ پوچھے یہ جو ابھی ابھی گئے ہیں ان بچوں کے ابا ہیں مگر وہ خاموش رہی۔ سب بچے اپنا کھیل بھولے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بچی اپنی انگوری نیلی نراک اور سفید دودھ ایسے سوئٹر میں بالکل گڑیا لگ رہی تھی۔ سحابی نے اسے گود میں اٹھا لیا اور اس کے روئی جیسے نرم نرم گال پر اپنے لب رکھ دیے عجیب عجیب سی مامتا کا احساس اسے ہوا۔ جیسے وہ اس کی اپنی بچی ہو جو اکثر

اُسے آیا۔ کیوں ہر عورت ماں بننے کے بعد مکمل ہوتی ہے۔ کیوں کوئی عورت ماں بننا چاہتی ہے؟ اُس کے رُخساروں پر گرم گرم خون سمٹ آیا۔ اُس نے آیا کی گود میں بچّی دے دی۔ اور خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

"مس جیکب! بچوں کو اندر لے آؤ" اوپر سے ایک مردانہ آواز آئی۔ سحابی سہم کر انار کے جھنڈ کے پیچھے ہو گئی۔ مس جیکب نے چپکے سے کہا "گرینڈ فادر ہیں۔ اچھا میں چلوں پھر ملوں گی" اس نے بچّی کو سنبھالا اور بچوں کو لے کر زینے کی طرف بڑھ گئی۔ سحابی اپنے برآمدے میں آئی۔ شارب جا چکا تھا۔ رضیہ کچن میں مصروف تھی۔ تبھی کال بل بجنے لگی۔ ملازم جھپٹا اور واپس آکر بولا۔

"مستی بابا آپ کی دوست ہیں"

"ہائے میرے اللہ۔ نگار ہوگی" وہ خوش ہو گئی اور اس کی پذیرائی کے لیے بھاگی۔ نگار گاڑی سے اُتر کر اوپر آرہی تھی۔ زینے پر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

"کب آئیں دارجلنگ سے؟" سحابی نے پوچھا اور اُسے لیے ہوئے باہر ڈرائنگ روم میں آبیٹھی۔ نگار نے کشن اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ اور اس میں کہنیاں گڑو کر سحابی کے جگمگاتے چہرے کو دیکھنے لگی "میں تو پرسوں کے پلین سے آئی تھی۔ دو دن تھکن اتارنے میں گزر گئے۔ خیال تھا کہ تم آؤ گی۔ مگر تم تو دوست نما دشمن ہو۔ بھلا کیوں آتیں۔ یہ تو مجھ ہی کو چین نہیں۔ دیکھو بھاگی آئی آ نہیں۔ چچا جان کہاں ہیں؟"

"کسی دوست کے پاس گئے ہیں"

"شارب کے تو ٹسٹ ہو رہے ہوں گے۔ ادھر انتظام بھی بہت بڑی ہو رہا ہے۔ خیر تم اپنی سناؤ۔ کیا کیا مشغلے ہیں؟"

"اور سوچا تھا کہ عشرت اور انصاری نے پی۔ ایچ۔ ڈی جوائن کر لیا ہے میں بھی داخلہ لے لوں گی۔ مگر ابی نے منع کر دیا۔ بڑی مشکل سے تو ایم۔ اے کرنے کی اجازت دی تھی۔ ابی پرانے خیال کے ہیں۔ یونیورسٹی کے ماحول کو پسند نہیں کرتے.... میں نے ہینڈی کرافٹ سنٹر میں داخلہ لے رکھا ہے۔ مگر ایک مرتبہ بھی وہاں نہیں گئی۔ دل ہی نہیں لگتا۔"

"اب کیا نانی دادی کی طرح سوئی تاگا اور پوٹلی سنبھال کر سیا پرویا کرو گی۔" نگار نے قہقہہ لگایا "کیوں اپنے حسن کو تباہ کرنے پر تلی ہو۔ اس سے تو اچھا ہے کہ کسی بھلے آدمی کا گھر بساؤ۔ ایک مرتبہ چچا جان ہمارے یہاں آئے تھے۔ ابی کے پوچھنے پر بتا رہے تھے کہ جلد از جلد تمہارے گلے میں سنہرا پٹہ ڈال کر زنجیر کسی معقول آدمی کے ہاتھ میں تھمانے والے ہیں۔ بہت فکر مند نظر آ رہے تھے۔"

سحابی بور ہو گئی "کون باپ اس طرح نہیں سوچتا۔ وہ ایک جگہ بات چیت چلائی تھی۔ پتہ نہیں کیا ہوا۔"

"بھئی ہمارے والے تو ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی پر جا بیٹھے ہیں۔" نگار بولی "انکار یا اقرار کے منتظر ہیں۔ اگر ہماری طرف سے اقرار ہو تو نیچے اتر آئیں اور اگر اللہ کے فضل سے انکار ہو تو اوپر سے نیچے چھلانگ لگا کر اپنے بوجھ سے زمین کو ہلکا کریں۔"

سحابی ہنس پڑی "میں نے یونیورسٹی میں ریاض صاحب کو دیکھا ہے۔ نہایت چارمنگ آدمی ہیں۔ تم راضی کیوں نہیں ہو جاتیں۔ اب تو مردوں میں بھی کمی ہے شاید۔"

"تم نے غور سے نہیں دیکھا۔" نگار بولی "ان کا سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ سے بالشت بھر چھوٹا ہے۔ وہ اپنے سسر کو کہنی سے سلام کریں گے تو میں کیا

کے ڈھیر ہو جاؤں گی۔"

"بکواس کرتی ہو۔" سحابی ہنسنے لگی۔ "ایسے سوا ہاتھ کے ہوتے تو بھلا اتنی موٹی موٹی کتابیں کیسے لکھ سکتے؟"

"اوندھے لیٹ کر لکھی ہوں گی۔ اللہ جانے۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔"

"خاک تمھارے مسخرے پن پر۔ کیا انھوں نے پیغام دیا تھا؟"

"اور کاہے کا رونا ہے۔" نگار سر تھام کر عبرت انگیز طریقے سے بیٹھ گئی۔ "امی ابا کی اسمبلی میں ان کا پیش کردہ ریزولیوشن زیر غور ہے۔ یعنی مسئلہ جس سے متعلق ہے انھوں نے اسے دودھ کی مکھی کی طرح مٹھی سے نکال پھینکا۔ کیا دنیا کا رنگ سفید ہے؟"

سحابی نے ایک ہاتھ اس کی پیٹھ پر رسید کر کے کہا "چلی ہیں ہمارے سامنے اترانے۔ جیسے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ آپ نے ریاض صاحب کے ساتھ کیسے کیسے اوٹ پٹانگ مکالمے کیے تھے۔"

"ایمان سے سحابی! وہی تو پھانسی کا پھندا بن گئے۔ اب وہ دھمکاتے ہیں کہ شادی نہ ہوگی تو میں سڑک کی سب سے گنجان جگہ پر لیٹ کر خودکشی کروں گا۔ اور خط لکھ کر کمشنر صاحب کے پاس بھیج دوں گا کہ فلاں صاحبزادی کے طوفانی بلکہ افلاطونی محبت کے چکر میں الجھ کر دنیا سے تشریف لے جا رہا ہوں۔ ہائے اللہ۔ کمشنر صاحب لوہے کی ہتھکڑیاں لے کر سیدھے میرے سر پر آ دھمکیں گے بتاؤ بہن! اس وقت کیا ہوگا؟"

"مذاق ختم کرو۔ ڈھنگ سے بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"چائے وائے منگواؤ۔ سانحہ مجھ پر گزرا ہے اور حواس جاتے رہے ہیں۔ چائے تک کو بھول گئیں؟"

سحابی نے اٹھ کر رضیہ کو پکارا اور اسے کچھ ہدایتیں دے کر اس کے پاس

آ بیٹھی۔

"پہلے تم بتاؤ تو پھر میں بتاؤں گی"

"اللہ قسم۔ نگار کی بچی۔ میری ابھی کوئی بات نہیں۔ ورنہ میں ہرگز تجھ سے نہ چھپاتی"

"کوئی رومان؟"

"نہیں بھئی! کچھ بھی نہیں"

"اللہ قسم؟"

"مار کھاؤ گی اب"

رضیہ چائے دے گئی۔ نگار ہنستی ہوئی بولی "میں تو وہ فضول بکواس کر رہی تھی۔ بھئی امّی نے تاریخ مقرر کر دی ہے۔ اسی لیے تو مجھے ناز جلدی سے بلوا بھیجا۔ میں تمھیں لینے آئی ہوں۔ تمھارے بغیر کہاں کی شادی وادی۔ گھر میں کھچا کھچ مہمان بھرے ہیں.... مارے وہ ادھم مچا ہے کہ ہوش اڑے جاتے ہیں۔"

"سچ مچ نگار؟" سحابی پیالی پرچ میں پٹخ کر اس کے چمٹ گئی "مگر ریاض بھائی کا مدعا یا تھر؟"

"ارے ہے! خدا نہ کرے" نگار ہنسنے لگی۔

"امی پتہ نہیں کب آئیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی۔ تم کھانے تک ٹھہر جاؤ۔ امی آ جائیں تو ان سے پوچھ کر ہی ساتھ چلیں گے"

"مجھے تو لمحہ بھر کی بھی فرصت نہیں سحابی۔ امی اپنے ساتھ شوپنگ کے لیے مجبور کر رہی تھیں۔ میں دو گھنٹے کی مہلت لے کر تمھارے پاس بھاگ آئی تھی۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں اب چلتی ہوں۔ مگر تم چچا جان سے پوچھ کر ذرا چلی آنا۔ ورنہ یاد رکھو بہت برا حشر کروں گی"

"بس اِدھر آپ آئے اور اُدھر میں تمھارے پاس آئی۔"

"وعدہ"

"بالکل پکّا!!"

نگار کو رخصت کر کے وہ پھر اندر آئی اور یکبارگی حیرت و خوف کے مارے بت بن کر رہ گئی۔ اُس نے فاران کو دیکھا کہ سید صاحب والی بڑی کرسی پر بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ بھلا یہ یہاں کب آئے کیا پہلے سے بیٹھے تھے؛ اللہ توبہ۔

"آپ کون ہیں؛ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے بڑے غصّے سے لہجہ دبنگ بنا کر پوچھا۔

وہ بے حد توجّہ اور دلچسپی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ سبز لباس میں لپٹی ایسا گلابی گلابی شعلہ معلوم ہو رہی تھی جو سبز فانوس میں آہستہ آہستہ سلگ رہا ہو۔ سینے پر لمبی سی سیاہ چوٹی پڑی تھی، آنکھوں سے تحیّر جھلک رہا تھا۔ انھوں نے ایک طویل آخری کش لے کر سگریٹ خاکدان میں رکھ دیا۔ اور کرسی کے ہینڈلوں پر ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے قد آور جسیم پیکر کے سامنے سحابی نہایت خوبصورت سی چھوٹے قد کی گڑیا بن کر رہ گئی۔

"میں کیا چاہتا ہوں" وہ مسکرائے "کیا یہ آپ کو بتانا ضروری ہے۔"

"آپ بڑے خراب آدمی معلوم ہوتے ہیں" وہ غصّے کے مارے کانپ گئی۔ "آپ پتہ نہیں کب سے یہاں چھپے بیٹھے ہماری باتیں سن رہے تھے... آپ یہاں آئے کیسے"

"ایک سانس میں آپ نے تین سوال کیے ہیں۔ ٹھہریئے! میں آپ کو سلسلہ وار جواب دیتا ہوں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ میں ایک شریف اور

نجیب الطرفین انسان ہوں ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ میں دیر ہوئی محترم سید صاحب سے ملنے تشریف لایا تھا۔ آپ حضرات کی گفتگو سننے کا مجھے قطعی ارمان نہیں تھا۔ وہ تو اتفاق سے ــــ"

"چپ ہو جائیے۔ آپ ضرورت سے زیادہ بکواس کر رہے ہیں.... میں آپ کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ نہ جانے آپ کو لیکچرر کس گدھے نے بنایا ہے۔ آپ بدنظر بھی ہیں...."

"شکریہ شکریہ!!" وہ بے حد سنجیدگی سے بولے "مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ نے اتنی تحقیق سے میری ذات کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ ہاں تو بتائیے سید صاحب کب تشریف لائیں گے؟"

"میں نہیں جانتی"

"ہاں ٹھیک ہے۔ آپ اگر جانتی ہوتیں تو اپنی سہیلی کے ساتھ نہ چلی جاتیں ــــ"

"آپ خاموش کیوں نہیں رہتے"

"میری مرضی۔ میں تو خاموش بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ باتوں کا سلسلہ۔ بلکہ بکواس کا سلسلہ آپ نے شروع کیا تھا"

سحابی پھنکار کر جانے کے لیے مڑی۔ انھوں نے شرارت سے لبریز آواز میں کہا "خدا حافظ۔ مگر دو تین امرود پک گئے ہوں تو براہ کرم بھجوا دیجیے گا۔ صبح کو ناشتہ کم کیا تھا۔ اب بھوک محسوس ہو رہی ہے"

"تو میں کیا کروں؟" سحابی نے قہر آلود لہجے میں کہا اور پھر پھڑ اکر پردہ الٹا پھر غڑاپ سے اندر ہو رہی۔ سر سے پاؤں تک آگ ہو رہی تھی۔ بھلا کوئی بات بھی ہے کہ ایک غیر آدمی نے ان کی پرائیوٹ گفتگو

سن لی۔ آدمی بھی ایسا بدمعاش ہے۔ پتہ نہیں اب کس طرح مذاق اڑائے گا۔ وہ دھم سے صوفے پر گری اور ٹیبل فین آن کر کے ہوا کھانے لگی۔ رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ خوب گالیاں بکے۔

اتنے میں سیّد صاحب نے پردے سے جھانک کر رضیہ کو پکارا۔ وہ کچن سے دوڑی آئی۔

"بیٹی دیکھو ایک صاحب ملنے آئے ہیں۔ ان کے لیے جلدی سے بہترین چائے ناشتے کا انتظام کرو۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ دعا کرو اللہ ان کے ذریعہ ہمارا کام نکال دے۔"

رضیہ ادھر سے ہو کر گزری تو سحابی نے اُسے روک لیا اور دیدے پھرا کر بولی

"ارے وہی صاحب ہیں رضیہ جو باغ کے پرلی طرف رہتے ہیں۔ پتہ نہیں ابّی کو بیوقوف بنا کر اپنا کون سا کام نکالنا چاہتے ہیں۔"

"بی بی! تم نے تو بے چارے سے خواہ مخواہ بیر باندھ لیا ہے۔" رضیہ تنک کر بولی "کیا صاحب کو آدمی کی پہچان نہیں ہے۔ کسی لفنگے کو وہ کیوں منہ لگانے لگے ــــ؟"

پھر اس نے پندرہ بیس منٹ کے اندر سموسے تلے، پڈنگ الماری سے نکالی، گاجر کا حلوا گرم کیا۔ اور قرینے سے سب کچھ ٹرے میں لگا کر مہ جائے کے کریم کے ہاتھوں باہر بھجوا دیا۔ سیّد صاحب خوش ہو گئے۔

"آپ ایسی زحمت فرمائیں گے تو مجھے آتے ہوئے شرم آئے گی۔" فاران نے سچ مچ شرمندہ ہو کر کہا۔ "مجھے تو اس کام کے سلسلے میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ کب تک آپ خود کو زحمت دیتے رہیں گے۔"

"میاں! یہ کوئی چیز نہیں۔ بچے کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ اور آپ کوئی غیر

نہیں ہیں - خود کو ہمارے مختصر خاندان کا ایک فرد سمجھئے - اور آپ نے جس کام کے سرانجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے وہ تو ایسا ہے کہ میں ہزار بار شکریہ ادا کر کے بھی خود کو آپ کے احسانوں سے سبکدوش نہیں سمجھتا "

" قبلہ! جب آپ نے مجھ ناچیز کو اپنے خاندان کا ایک فرد سمجھا ہے تو پھر یہ تکلفانہ طرزِ تخاطب بھی براہ کرم ترک فرمائیے "

سیّد صاحب محبت سے ہنسے اور چیزیں اٹھا اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے لگے۔

" میں کل شام کو ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملا تھا " فاران نے کہا " بڑے اخلاق و تپاک سے پیش آئے - آپ کا نام نامی اسم گرامی سنا تو زیادہ تعظیم و تکریم سے مجھے بٹھایا "

" ہاں ہاں بیٹے! ہم جانتے ہیں کہ وہ بہت شریف آدمی ہیں " سیّد صاحب نے لقمہ دیا۔

" جی ہاں، پھر شادی کی گفت و شنید ہوئی - میں نے انھیں راضی کر لیا کہ لڑکی کسی حال میں ان کو دکھائی نہیں جائے گی - کیونکہ وہ خود شریف و غیور ہیں اور جانتے ہیں کہ کوئی شریف و پردہ نشین لڑکی غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتی - بے چارے اس پر بھی آمادہ ہو گئے "

" جزاک اللہ بیٹے! تم نے تو گویا مہم سر کر لی "

وہ ہنسنے لگے " جناب والا! مجھے تو وہ لوگ بہت معقول نظر آئے - میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اللہ کا نام لے کر بات پختہ کر لیجئے - اچھے لڑکے آج کل عنقا ہیں - ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی بہکا کر دوسری طرف متوجہ کر لے "

" میاں! کچھ لین دین کے متعلق گفتگو نہیں ہوئی؟ "

" جی ہاں، ہوئی تھی - حیدرآبادیوں میں یہ بڑی غلط رسم پڑ گئی ہے - لڑکے باقاعدہ نیلام

پر چڑھ گئے ہیں۔ حسبِ حیثیت ان کی بولی لگتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر اور بیرسٹر وغیرہ کی نسل مہنگی بکتی ہے۔"

سید صاحب بے ساختہ ہنس پڑے۔ "انھوں نے کیا مطالبہ کیا؟"

"کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر صاحب اپنا ذاتی کلینک کھولنا چاہتے ہیں، جس کے لیے سرمایے کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا ان کی اور آپ کی پوزیشن کے لحاظ سے لین دین کی بات چیت ہو تو بہتر ہے۔"

"دینے لینے سے کون انکار کرتا ہے؛ مگر تعداد معقول ہو تو گراں نہ گزرے۔"

"جی بے شک۔ وہ چالیس ہزار کہہ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ پوچھ کر جواب دوں گا۔ اب آپ جو فرمائیے۔"

"چالیس ہزار!" سید صاحب حیرت سے بولے "بھائی یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔"

"میں اُن سے پھر ملوں گا اور کہوں گا کہ کچھ کم کریں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ شادی نہیں تجارت ہے۔ فریقین مول بھاؤ کر رہے ہیں۔ احسان میاں! ہم ڈاکٹر صاحب کو اس قدر لالچی نہیں سمجھتے تھے۔"

"حضور! میں بھی ان کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔"

سیّد صاحب پست ہونے لگے۔ "بیٹے! تم سے چھپانا کیا۔ ہم نے بہت کمایا ہے بہت اُڑایا ہے۔ خدا مغفرت کرے مرحومہ اپنی زندگی میں لڑکی کے لیے جہیز وغیرہ تیار کر گئی تھیں۔ ہم اتنی بڑی رقم کا تصوّر تک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ شرفا کی حیثیت کے موافق دولھا کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے صرف دس ہزار الگ کر دیے تھے۔ دس ہزار دیگر اخراجات کے لیے نکال لیے تھے۔"

"ہاں جناب اور کیا۔ بیس ہزار میں نہایت معقول شادی ہو جاتی ہے۔"

فاراں نے کہا۔ چائے ختم ہو چکی تھی۔ انھوں نے ٹرے اٹھا کر دور میز پر رکھ دی اور رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پھر سیّد صاحب کے پاس آ بیٹھے۔ اور بولے "اب دیکھیے کہ چالیس ہزار جوڑے کے دیے جائیں۔ اسی نسبت سے چالیس ہزار کی شادی ہو۔ یعنی ایک لڑکی کی شادی میں اسّی ہزار روپیہ خرچ کر دیا جائے۔ یہ تو ناممکن ہے۔ آخر آپ کے سامنے ابھی شارب کا مستقبل بھی تو ہے۔ وہ اگر کہیں برسرِ روزگار ہوتے تو شاید اس نامعقول مطالبے پر غور بھی کر لیا جاتا۔"

"ابھی شارب کی ملازمت میں عرصہ باقی ہے بیٹے! وہ کہہ رہا ہے کہ میڈیسن کرے گا۔ فی الحال اس کی بھی تعلیم ختم نہیں ہوئی لڑکی کی عمر ماشاءاللہ بائیس سال ہے۔ چھ سات سال بعد کا معاملہ تو بالکل ہی غیر یقینی ہے۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ اب کیا ہوگا؟ اگر وہ لوگ اصرار و تکرار کے بعد مشکل سے تیس ہزار ہی پر راضی ہو گئے تو اس کے لیے ہمیں مکان فروخت کرنا پڑے گا۔"

فاراں نے بڑی مستعدی سے کہا "آپ مکان کیوں فروخت کریں گے۔ اگر کہیے تو میں اپنی گاڑی ۔۔۔۔"

سیّد صاحب نے بات کاٹ دی "استغفراللہ! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا میاں ہم ہمت کیوں ہاریں۔ ابھی ایک سال کون سی ایسی جلدی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک کوئی اچھی صورت نکال دے۔ ایسے لالچی لوگ برابر مطالبہ کرتے رہتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ بس ایک ہی لڑکی ہے۔ باپ نے نہ جانے کیا کچھ جمع کر رکھا ہوگا کھینچو جس قدر کھینچ سکتے ہو۔"

"آپ بالکل بجا فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے جواب لے کر پھر حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ فرمائیے اُن سے جا کر کیا کہوں؟"

"کہنا کیا ہے۔ یہ بیل منڈھے چڑھتے نظر نہیں آتی۔ گول ہو جاؤ۔ وہ آپ

سمجھ جائیں گے کہ رشتہ ہم کو منظور نہیں۔"

"اگر مشاطہ آپ کے پاس آئے تو آپ اس سے نہ الجھیے گا۔ بڑی کم ظرف اور لالچی عورتیں ہوتی ہیں۔ آپ کو اس کی باتوں پر غصہ آئے گا۔ اُسے میری طرف بھجوا دیجیے گا۔ چونکہ درمیان میں پڑ کر میں ہی بات چیت کر رہا ہوں۔ اُسے سمجھا دوں گا۔ کیا فائدہ جناب! کم رتبہ عورتوں سے تو تو میں میں کرنے سے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ ہم تو اسے گھر میں بھی نہیں گھسنے دیں گے۔ بڑا دل بُرا ہوا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ خیال تھا کہ اچھے لوگ ہیں بخوبی رشتہ ہو جائے گا۔"

"جی ہاں، آدمی کو دیکھ کر اس کی سیرت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔"

"بیٹے! تم بھی کہتے ہو گے کہ خواہ مخواہ ہم نے تمھیں زحمت دی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں قبلہ محترم! میں آپ کی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" وہ جانے کے لیے اُٹھ گئے۔

"خدا تمھیں سلامت رکھے۔ بہت حوصلہ بندھاتے ہو۔ اب پھر کب آؤ گے؟"

"جب آپ یاد فرمایئے حاضر ہو جاؤں۔ تو پھر اجازت چاہتا ہوں۔"

سیّد صاحب نے اٹھ کر کارنس سے ایک موٹا تازہ لفافہ اُٹھایا اور فاران کو تھما دیا۔ پھر شرمندہ لہجے میں بولے:

"مٹھائی کے کچھ پیسے ہیں۔ ہماری طرف سے اپنے بچوّں کو دے دینا۔"

انھوں نے بڑے عاجزانہ طور پر جھک کر سیّد صاحب کا شکریہ ادا کیا پھر مؤدبانہ انداز میں مصافحہ کر کے چلے گئے۔ سیّد صاحب متفکر اور شکست خوردہ سے صوفے پر لیٹ گئے۔ اور پیشانی پر کہنی رکھ کر کچھ سوچنے لگے۔ کیا حشر ہونے والا ہے۔ آخر میری بچی کیسی تقدیر لائی ہے کہ اب تک اس کے دو پیغام یوں لگ لگ کے

چھوٹ چکے ہیں۔ انھیں اپنی بیوی کی یاد شدّت سے آئی۔ کیا اچھّا ہوتا اگر آج وہ زندہ ہوتیں۔ ہمیں تو کچھ پتہ نہیں کہ کس طرح لڑکی کے بیاہ کے معاملات طے کیے جاتے ہیں۔ کیا کیا رسمیں ہوتی ہیں۔۔۔۔ یا اللہ! سب کچھ اچھا ہی اچھا کر دے۔

"ابّی!"

"ہاں بیٹے!" سیّد صاحب کے تکلیف دِہ خیالات کا فور ہو گئے۔ رُخ پھیرا۔ سحابی کمرے میں آئی اور فرش پر گھٹنے ٹیک کر باپ کے سینے پر سر رکھ دیا۔ سیّد صاحب کا دل پگھلنے لگا۔ اس کے ریشمی بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ سحابی نے سر اٹھایا اور اُن کے قمیص کے بٹنوں سے کھیلتی ہوئی بولی "ابّی! آج نگار آئی تھی۔"

"اچھا۔ وہ تو شاید کہیں گئی ہوئی تھی۔"

"ہاں ابّی! دارجلنگ سے آئی ہے۔ ہفتہ بھر اس کی شادی ہے۔ مجھے بلا رہی ہے ابّی۔ میں کب جاؤں؟"

"کب ہے شادی؟"

"اگلے جمعہ کو۔"

"آج تو بدھ ہے۔ اس قدر جلدی جا کے کیا کرو گی بی بی۔"

"ابّی! وہاں سب سہیلیاں جمع ہوں گی۔ گانا بجانا ہوگا۔ میں رضیہ کو ساتھ لے لوں گی ابّی! بولیے کب جاؤں؟"

"بیٹی! تم بھی جاؤ گی۔ رضیہ کو بھی لے جاؤ گی۔ ہم تو بالکل اکیلے رہ جائیں گے۔"

"آپ ہمیشہ یہی کہنے لگتے ہیں۔" وہ خفا ہو کر ٹھنکنے لگی۔

"تمھاری مرضی ہو تو چلی جاؤ۔ لیکن وہاں پردے کا اچھی طرح انتظام ہوتا؟" نگار کا پورا کنبہ مغربی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں پردے کا نام بھی کوئی نہیں جانتا تھا مگر سحابی نے جھوٹ سے کہا۔ "واہ ابّی! پردے کا انتظام بھلا کیوں نہ ہوتا۔۔۔

میں بھی تو غیر لوگوں کے سامنے آنا پسند نہیں کرتی۔ آپ مطمئن رہیئے۔ پھر میں رضیہ کو لے کر چلی جاؤں؟"

"بیٹی! تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری والدہ کتنی قدامت پرست مذہبی قسم کی سخت پردہ نشین خاتون تھیں۔ ان ہی کے نقش قدم پر تمھیں بھی چلنا ہے۔ زمانے کے حالات تم نہیں جانتیں۔ اسی لیے ہم نے تمھارا یونیورسٹی جانا پسند نہیں کیا۔ بیٹی! کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی تقلید میں اپنی روش اور اپنا وطیرہ ہرگز نہ چھوڑنا اگر تمھاری سہیلی کے یہاں پردے کا مناسب انتظام نہ ہو تو بیٹی دس دن پہلے سے وہاں جاکر رہ جانا ہمیں تو ٹھیک نہیں لگتا۔ ویسے ان کے یہاں کے حالات تم بخوبی جانتی ہوگی۔ رضیہ کو لے کر شام تک چلی جانا۔ اس کا گھر کہاں ہے؟"

"ریڈ ہلز پر رہتی ہے ابی! آپ فکر نہ کیجئے دو ایک چکر لگا جاؤں گی۔"

وہ چپ رہے۔ سحابی اٹھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر انھیں بہلانے کو بولی۔" ابی! آپ دوپہر میں کیا کھائیں گے؟ میں پکا کر رکھ جاؤں۔ ابی! نگار کی شادی میں اچھا سا تحفہ خریدنا پڑے گا۔ ابی! آپ ریاض صاحب کو جانتے ہیں نا؟ میری سالگرہ پر آئے تھے۔ نگار کی شادی انھیں سے ہو رہی ہے۔"

سید صاحب ہنسنے لگے "بیٹی! تمھیں جتنی ضرورت ہو الماری سے نکال لو۔ اتنی بڑی تمہید ناحق اٹھائی تم نے۔"

"ابی! آپ بہت اچھے ہیں۔"

اس نے جھپٹ کر الماری کھولی اور پرس نکال کر سید صاحب کو تھما دیا۔

"ایک ہزار کافی ہوں گے؟"

"اللہ ابی! ایک ہزار لے کے کیا کروں گی۔ بس چار سو دے دیجئے۔ نگار کے لیے ایک بروچ اور ریاض بھائی کے لیے الیکٹرک شیونگ بوکس لے لوں گی۔"

"اپنے لیے کوئی چیز نہیں لوگی ؟"

"نہیں ابّی ! میرے پاس سب چیزیں ہیں ۔"

انھوں نے پانچسو اسے تھما دیے ۔ سحابی نے پرس الماری میں رکھ دیا اور پھر وہیں سے بڑبڑائی " ابّی ! یہ شارب نہیں مانتا ۔ دیکھیے پھر میرا البم کمرے سے چرا لیا ۔ یہاں رکھا ہے ۔ کوئی غیر آدمی دیکھ لے تو کتنا برا ہوگا ۔"

" ہاں بیٹی ! یہ تو بری بات ۔ اپنا البم کہیں محفوظ جگہ رکھ دو ۔"

سحابی نے البم نکالا ۔ یونہی ورق الٹتے تھے دیکھا کہ اس کی تازہ تصویر کی جگہ خالی تھی ۔

" ابّی ! شارب نے میری تصویر نکال لی ۔"

سید صاحب کو یاد آیا کہ اس کی تصویر ابھی پچھلے دنوں شارب نے نکالی تھی ۔ مگر وہ سحابی سے کیسے کہتے کہ کس مقصد کے تحت نکالی تھی ۔ وہ چپ رہے ۔ سحابی شارب کو برا بھلا کہتی ہوئی چلی گئی ۔ اسے جانے کی جلدی تھی ۔ اس نے شارب سے پوچھا بھی نہیں ۔ اپنا سوٹ کیس درست کرتی رہی ۔ پانچ بجے شارب آیا ۔ سید صاحب نے سب سے پہلے اپنے پاس بلایا اور اس سے تصویر کے متعلق پوچھا ۔

شارب دو منٹ سر کھجاتا رہا ۔ پھر بولا " ابّی ... میں آپ سے کیا بتاؤں ۔ ڈاکٹر صاحب کے لوگ نہایت بیہودہ نکلے ۔ وہ بجیا کی تصویر چرا لے گئے ۔"

" چرا لے گئے ۔" سید صاحب نے حیرت سے کہا " لیکن یہ تو بہت بری بات ہے ۔ وہ تصویر کا غلط استعمال بھی کر سکتے ہیں ... تم نے ہم سے کہا نہیں ۔ ہم احسان میاں سے تذکرہ کرتے ۔"

" ابّی ! میں خود جاؤں گا اور ان گدھوں کے پاس سے تصویر لاؤں گا ۔ ابھی راستے میں فاران بھائی ملے تھے ۔ ان لوگوں کی حرص و طمع کی کہانی سنا رہے تھے

اچھا ہوا کہ باجی ان کے سامنے نہیں نکلیں "

"تم جاؤ اور احسان صاحب کو بلا لاؤ۔ وہ بحسن و خوبی تصویر واپس لے آئیں گے۔ ہم جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔ اور سنو! سحابی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ اسے رنج ہو گا "

شارب چلا گیا۔ سید صاحب فکرمند اور دلگرفتہ ٹہلنے لگے۔ پندرہ منٹ بعد ہی وہ فاران کو بلا لایا اور خود کھانا کھانے اندر چلا گیا

" فرمائیے جناب! کیا بات ہے؟ کوئی نیا معاملہ در پیش ہے" فاران نے پوچھا

"بیٹے! ہم تم سے بہت شرمندہ ہیں۔ تمھیں بلوا بھیجتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ شاید تم کوئی ضروری کام کر رہے ہو۔ دراصل تم اتنے مخلص ہو احسان میاں کہ —"

"جناب! میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مجھے شرمندہ نہ کیا کیجیے۔ میں آپ کا خادم ہوں۔ ہر خدمت کے لیے ہر وقت حاضر ہوں " فاران نے کہا "کیا میں جانتا نہیں کہ آپ کو گوناگوں پریشانیاں لاحق ہیں۔ آپ کی فکروں میں حصہ بٹانا میرا فرض ہے۔ ہمسائے کا بڑا حق ہوتا ہے جناب والا!"

" خدا تمھیں خوش رکھے۔ بیٹے! اب ایک نئی فکر ہے "

فاران مستفسرانہ انداز میں انھیں دیکھنے لگے۔ سید صاحب نے تصویر کی گمشدگی کا واقعہ سنایا۔ اور اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں تصویر کا غلط استعمال ان کے لیے بربادی کا سامان نہ لے آئے "

فاران نے نہایت شدت سے متعجب ہو کر کہا " ارے! وہ تو ڈاکو نکلے۔ خدا کی پناہ! میں ابھی جاتا ہوں اور تصویر لے آتا ہوں۔ آپ مطمئن رہیے "

" میاں! ہم تمھیں کتنا پریشان کر رہے ہیں "

" آپ خواہ مخواہ غیریت کا مظاہرہ کرتے ہیں جناب... مجھے قلبی تکلیف پہنچی

ہے۔ مجھے آپ اپنے خاندان کا فرد سمجھئے۔ انشاءاللہ میں آپ کی تمام فکریں، پریشانیاں اور بوجھ ہلکے کردوں گا ۔"

سید صاحب چائے منگوا رہے تھے لیکن فاران نے کہا کہ یہ معاملہ اہم ہے۔ اسے التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا ۔" جانے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اتنے میں پردہ سرکا اور ہلالِ نو کی جھلک دکھائی دی۔

" ابی ! " ایک نغمہ تھا، سحر تھا کہ کمرے میں پھیل گیا۔ سحابی نے فاران کو دیکھا نہیں تھا۔ وہ سید صاحب سے اجازت لینے اندر آئی۔ اور تبھی فاران نے ہاتھ بڑھا کر مرکری بلب آن کر دیا۔ لمحہ بھر میں سحابی کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں اور یکبارگی چہرہ لالہ فام ہوگیا۔ سید صاحب نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس طرح ایک اجنبی آدمی کے سامنے بے پردہ ہو جائے۔ مگر وہ یک لخت یوں کمرے میں آگئی تھی کہ انھیں روکنے کا موقع تک نہیں ملا۔ فاران نے جھک کر بڑے ادب سے سحابی کو سلام کیا۔ جیسے وہ کہیں کی ملکہ ہو۔ انداز بالکل کورنش بجالانے کا سا تھا۔ سحابی نے منہ پھیر لیا۔ سید صاحب خفیف ہو کر بولے۔

" بیٹی! سلام کا جواب نہیں دیا تم نے ... یہ اپنے نئے ہمسائے ہیں۔ بخدا بہت شریف اور ــــــ"

"سلام!" سحابی نے دل ہی دل میں پھنکار کر کہا اور سلام کیا کیا جیسے لٹھ مار دیا۔ حالانکہ یہ سلام جواب میں تھا۔ مگر فاران نے نہایت بزرگانہ انداز میں کہا :

" جیتی رہیے " پھر وہ سید صاحب کی طرف مڑ کر اور جھک کر بولے " اجازت چاہتا ہوں حضور ان بیہودے صاحب سے تصویر لے کر ابھی آیا ۔"

اور ایک دزدیدہ نظر سحابی پر ڈال کر چلے گئے۔

"بیٹی! تم نے ہمیں بہت شرمندہ کیا۔ ارے یہ نیک لڑکا ہمارے لیے پیروں میں پہیے باندھے پھر رہا ہے۔ اس کے احسان ہیں ہم پر وہ جی میں کیا کہتا ہوگا کہ تم نے اسے سلام کے جواب میں ڈنڈا رسید کر دیا۔"

سحابی کیا کہتی کہ وہ حضرت کس طرح مسکراتے ہیں، اسے چڑھاتے ہیں۔ اس نے اپنا غصہ ضبط کر کے پوچھا "ابی! کس کی تصویر ہے۔ جسے یہ صاحب لانے گئے ہیں۔"

"ارے تم جاؤ بیٹی۔ وہ معاملہ تم سے متعلق نہیں ہے۔" سید صاحب نے کہا "اچھا سنو۔ کب آؤگی؟ رضیہ کے نہ ہونے سے ہم کو تکلیف تو ہوگی۔ مگر اس کا تمھارے ساتھ جانا بھی ضروری ہے۔"

سحابی نے غور سے انھیں دیکھ کر کہا "جلدی آجاؤں گی ابی۔ آپ مطمئن رہیے۔"

نگار کے یہاں ہوحق کچھ کم نہیں تھی۔ ٹھیٹھ مشرقی گھرانا تھا۔ اندر باہر عورتوں مردوں کا ہجوم، شور وغل، گیٹ پر شہنائی بجتی تھی۔ باہر لان پر بینڈ ماسٹر اپنا ساز چھیڑتے تھے۔ مہمانوں کی آمد و رفت قیامت تھی۔ نگار کی بیسوں سہیلیاں اس کے کمرے میں موجود رہتیں۔ اُن میں ایسا ہنسی مذاق ہوتا کہ کان پڑی آواز کا سننا مشکل ہوتا۔ سحابی اور کنک نگار کی بہت اچھی دوست تھیں۔ تیز طرار بھی اتنی ہی تھیں۔ نگار کو تین دن قبل مانجھے بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ ہزار بہانے کرتی رہی، مگر سہیلیاں اُس کے پیچھے پڑ گئیں۔ اُس نے زرد ڈوپٹے میں لپٹ کر سر جھکا کر بیٹھنا

گوارا نہیں کیا۔ زرد کپڑے سب کے ساتھ خود بھی پہن لیے اور منہ کھولے سنخرے پن میں برابر کی شریک رہی۔ رضیہ ڈھولک پیٹ رہی تھی۔ چند لڑکیاں حلق پھاڑ رہی تھیں۔ دکھنی لوک گیت تھا: "دیلان میں پنھائے ہار کیا خوشنما لگا کے۔" رضیہ کو بہت سے گیت یاد تھے۔ وہی سب کو سمیٹ کر بیٹھ جاتی تھی۔ نگار کے پاس لڑکیاں اکٹھا تھیں۔ اُس پر فقرے چُست کر کر کے ہنس رہی تھیں۔ ضیا نے نگار کے دو ہتھڑ رسید کر کے کہا "ایمان کی قسم! اس مُردار نے بھی دیدے پھیر لیے۔ ارے ایک ایک کر کے کیسے جھنڈ سے مرغابیاں شکار ہوئی جا رہی ہیں۔ میرا، عائشہ، قمر نفیسہ تو جدا ہوئی تھیں، نگار بھی دغا دے رہی ہے۔ کل کو بات کرنے والا بھی کوئی نہ ملے گا۔"

"بی بی! تم اپنی سناؤ۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے بھی ایک بھُس بھرے شیر کو جال مار کر گرا لیا ہے۔" قمر نے اُس کے چٹکی لے کر کہا۔ ضیا نے بلبلا کر دو چار گالیاں دیں۔ پھر بولی "ارے تو کیا میرے سینے میں ارمانوں بھرا دل نہیں ہے مٹی پڑے چڑیل پر بوٹی اُتار لی۔"

"قیمہ کر کے پھینک دوں گی۔ بتا کہاں تک معاملہ پہنچا ہے؟" عائشہ نے اس پر کھیل کر اُسے بے بس کر دیا۔

"اسے دیکھو! یہ اپنے پہلوان میاں سے کشتی لڑ لڑ کے کیسی ایکسپرٹ ہو گئی ہے۔" ضیا نے دہائی دی "ارے مجھے نکالو گوشت کی پہاڑی کے نیچے سے۔"

فاطمہ اور نازی نے ہنسی سے بے قابو ہو کر اُسے کسی طرح کھینچ کر نکالا۔ وہ خونخوار نظروں سے عائشہ کو گھورنے لگی۔ "سارے حیدر آباد کو اپنی شادی میں بلاؤں گی مگر اس موٹی بھینس کو ہرگز نہیں بلاؤں گی۔"

"تیرے بلاوے کا انتظار کون کرتا ہے رے! مہینہ بھر پہلے آ دُوں گی۔"

"ہائے اللہ آپ لوگ چپ ہو یئے نا۔ ہمارے گیت کوئی نہیں سن رہا ہے۔"
رضیہ نے ہانک لگائی۔

"تیرے ساتھ کون حلق پھاڑے گا۔ الاپ اپنے گیت" قمر بولی۔

رضیہ نے ڈھولک پیٹی اور گانے لگی۔

"دلہا گاؤں کا گنوار دلہن بولتی بھی نئیں"

لڑکیاں ہنس پڑیں۔ نگار نے سحابی سے پوچھا "میں تم سے پوچھنا بھول گئی۔ انعام سے شارب ملا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ پھر کسی وجہ سے تمھاری نسبت ٹوٹ گئی۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے سحاب؟"

"پتہ نہیں... نگار! میں کیا جانوں؟" سحابی کے گال گلابی ہونے لگے۔ "ابھی تو میں خود بھی نہیں چاہتی۔"

"اُس دن چچا جان کی شکل دیکھ کر مجھے بہت صدمہ ہوا تھا۔" نگار بولی۔ بے چارے تمھاری وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ بار بار کیوں ایسا ہو رہا ہے؟ کیا ان لوگوں نے رقم زیادہ مانگی تھی۔ غارت گیا کیسا چھلا نکلا ہے۔ ریاض نے تو ایک پائی کا مطالبہ بھی نہیں کیا۔"

"ہاں نگار! ابی کو دیکھ دیکھ کر میرا کلیجہ بھی پھٹا جاتا ہے۔" سحابی اداس ہو کر بولی "میں ایک بوجھ بن گئی ہوں۔ وہ بہت فکرمند رہتے ہیں۔ آج تک انھوں نے ایسا کلام کیا نہیں۔ گھبرا جاتے ہیں۔ میں ابی کے خیال سے چاہتی ہوں کہ اچھا یا برا جو بھی ہونا ہو ہو جائے۔ بلا سے۔ میرے ابی کی پریشانی دور ہو جائے۔ مجھ پر جو کچھ گزرے گی میں گزار لوں گی۔"

"ایسی مایوس کیوں ہوتی ہو۔ اللہ سب ٹھیک ہی کرے گا۔"

"سحابی بٹیا! آپ کا ٹیلیفون پھر آیا ہے۔" دفعتہً نگار کے ملازم نے

اطلاع دی۔ سحابی کے چہرے پر غصّے کی تمتماہٹ دوڑ گئی۔ اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں جکڑ لیا۔ پھر نگار سے بولی "میں ابھی آئی" اور شاکر کے ساتھ اس کمرے میں آئی جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

شاکر اُسے پہنچا کر چلا گیا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ ہیلو ہیلو کی طیش دلانے والی آواز برابر آرہی تھی۔

"آپ کیوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں" وہ ماؤتھ پیس میں جھپٹ پڑی۔

"میں تو آپ سے بڑی دور ہوں" آواز آئی۔ بھلا اپنی دشمنِ جان آواز کو وہ کیسے نہ پہچانتی۔

"آپ کیوں بار بار مجھے فون کر رہے ہیں؟"

"کچھ التجا کرنا چاہتا ہوں"

"میں کچھ سُننا نہیں چاہتی۔ آپ نے پھر مجھے فون کیا تو اچھا نہ ہوگا۔ کیا آپ مجھے بدنام کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔ آپ ایک مرتبہ میری پوری بات سن لیجئے۔ پھر میں آپ کو زحمت نہیں دوں گا"

"بکیئے جلدی سے"

"آپ کب واپس آرہی ہیں؟"

"آپ سے مطلب؟"

"جلدی آیئے۔ میں بالکل ویران ہو کر رہ گیا ہوں"

"اللہ کرے تم مر جاؤ" اُس نے کھٹاک سے ریسیور فون پر پٹخا۔ غصّے کی زیادتی کی بنا پر اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ کچھ دیر کھڑی اپنی سانسیں ٹھیک کرتی رہی۔ پھر واپس پلٹی۔ ساری خوش مزاجی کافور ہو چکی تھی۔ اب اُسے

خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ آخر یہ آدمی چاہتا کیا تھا۔ یہ اس کا تیسرا فون تھا۔ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو کیا ہوگا؟ اب تک تو وہ یہی بہانہ کرتی رہی ہے کہ امی فون پر اس کی خیریت پوچھتے ہیں۔ مگر امی اور شارب بھی شادی میں شریک ہوں گے۔ کسی نے ان سے کہہ دیا تو پھر۔ پھر کیا ہوگا؟ وہ سوچتی رہی اندر گرم گرم پسینے کی دھاریاں بالوں کی جڑوں سے بہہ کر سارے جسم پر رینگنے لگیں۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔

"کیا کرنے لگیں۔ فون پر کون تھا؟" سحابی نے سر اٹھایا۔ شیشے کے باہر اسے نگار نظر آئی۔ ہاف ڈور کھول کر وہ اندر آگئی۔ اور حیرت سے سحابی کو دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے۔ خدانخواستہ کوئی پریشان کن خبر ملی ہے کیا؟"

"نہیں نگار!"

"تو پھر۔ تمہارا چہرہ؟"

"پتہ نہیں کون بدمعاش تھا غلط سلط بکواس کرنے لگا تھا۔"

"اس میں ایسی پریشانی کی کیا بات ہے؟ اکثر رانگ نمبر مل جاتے ہیں۔ آؤ چلیں بڑی جلدی بدحواس ہو جاتی ہو۔ ادھر میز پر لنچ لگا دیا گیا ہے۔" نگار اسے کھینچ لے گئی۔

لڑکیوں کی میز الگ بچھائی گئی تھی۔ ہو حق اب بھی تھی۔ کھانا ان لوگوں نے کم کھایا۔ بکواس زیادہ کی۔ چائے کے بعد نگار کی ممی نے اُن سب کو جہیز الگ کمرے میں سجانے کا حکم دیا۔ نگار کے پاس سحابی اور کنک رہ گئیں۔ باقی جہیز سجانے چلی گئیں۔ کنک بولی "سحابی! تم نے ایم۔ اے کر لیا ہے۔ اب کہیں سروس بھی کر لو۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے کیا انڈے دیتی ہو۔ عمر بیکار گزری جا رہی ہے۔ مجھے تو اپنے ہی کالج میں بہت اچھی سروس مل گئی۔ تم کہو تو میں تمہاری طرف سے اپلائی کر دوں ——"

"زنانہ کالج میں : سحابی نے پوچھا۔

"کہاں کوئی زنانہ کالج رہا ہے بہن! مردانے کالج ہی کو غنیمت جانو۔ زنانہ طبقہ تو مردانے سے دس قدم آگے جا رہا ہے۔ مرد تو بھلے ہی روزگار کے چکر میں کچھ دنوں کے لیے فیشن بھول بھی جاتے ہیں۔ مگر عورتیں! ارے بھگوان قسم ان پر اگر قیامت بھی ٹوٹ پڑے تب بھی، ہونٹوں پہ اسٹک اور گالوں پر لیپ پھیرے بغیر اللہ میاں کے سامنے نہیں جائیں گی۔ سحابی سنو! تم یہ دقیانوسی خیال چھوڑ دو۔ سارے مرد لفنگے نہیں ہوتے۔ ہمارے پیر ڈائرکٹر صاحب بہت شریف نیک اور ہمدرد آدمی ہیں۔ تم اقرار کرو تو میں ان سے مل کر سارے معاملات برابر کر دوں خواہ مخواہ سات آٹھ سو ماہوار کو کیوں ٹھکراؤ گی"

"ابی نہیں مانیں گے"

"انھیں راضی کرنا میرا کام ہے۔ پہلے تم حامی بھر دو"

"ابی مان جائیں تو مجھے بھی راضی سمجھو"

"بی بی صاحب! آپ کا فون ——" رمضانی کی آواز بم کی طرح سحابی پر گری۔

"ہولڈ آن ہے۔ آپ جلدی آئیے" یہ کہہ کر رمضانی چلا گیا۔

نگار نے سحابی کی طرف دیکھا۔ وہ بمشکل مسکرا کر بولی "ابی ہوں گے مجھے بھیج تو دیا ہے۔ مگر انھیں میرے بغیر چین نہیں آتا۔ میں ابھی آئی"

وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی اور فون نہ اٹھالے کیا سوچے گا کیا سمجھے گا۔ اس نے جھجکا کر ریسیور اٹھایا اور دانت پیس کر بولی۔

"خدا انھیں غارت کر دے۔ اللہ کرے آدھی رات کو تمہارا دم نکلے۔ جنازہ اٹھانے والا کوئی نہ ملے۔ جیسا مجھے ستا رہے ہو۔ بارہ اماموں کے صدقے میں خدا کی

بھی ویسا ہی ستائے۔"

"ارے ارے! ہائیں ہائیں! بجیا! یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے" ادھر سے شارب کہہ رہا تھا "کیوں مجھے خواہ مخواہ ایسے بھیانک کوسنے دے رہی ہو۔ عمر بھر میں پہلی بار تمہیں فون کیا ہے۔ کیا خوب انعام دیا"

سحابی کے سینے سے سکون کی سانس نکلی۔ دم ٹھہر گیا۔ اس نے لاکھ لاکھ بار خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر ہتھیلی سے ماتھے کا پسینہ پونچھتی ہوئی بولی "میں سمجھی تھی کہ وہ نگوڑی مس روزی ہے۔ صبح سے تنگ کر رکھا ہے۔ تم بولو کیا بات ہے؟"

"ابی کے سر میں رات سے بہت درد ہے بجیا! دن بھر کم رہا اس وقت پھر ہو رہا ہے۔ وہ بہت بے چین ہیں۔ اگر آسکتی ہو تو آجاؤ۔ شادی میں دو دن باقی ہیں۔ پھر چلی جانا"

"کیسے آؤں؟ نگار کے ڈیڈی کار لے کر کہیں گئے ہیں۔ ٹیکسی میں ڈر لگتا ہے۔ یا اللہ میرے ابی کی خیر ہو۔ سوچتے سوچتے اس نوبت پر پہنچے ہیں"

"بجیا! گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی گاڑی بھیجتا ہوں۔ تم تیار ہونا؟"

"ہاں، گاڑی جلدی بھیجو"

"بس ابھی۔ فوراً"

نگار بجھ کر رہ گئی جب اس نے سنا کہ سحابی جا رہی ہے۔ مگر کیا کرتی۔ وعدہ لے کر جیسے ہی ابی کی طبیعت ٹھیک ہوگی وہ شادی میں ضرور آئے گی۔ بیس منٹ کے اندر اندر سحابی کی گاڑی آگئی۔ نگار اسے خود برآمدے تک چھوڑنے آئی۔ سحابی بے چاری سید صاحب کی بیماری سے پریشان تھی۔ آج تک کبھی ان کے سر میں درد نہیں ہوا تھا۔ وہ تو بس برسوں میں جا کر کہیں تھوڑے سے بیمار ہوتے تھے اور جلدی سے اچھے بھی ہو جاتے تھے۔

وہ گھبرائی ہوئی زینے سے اُتری اور جلدی سے اس کے شوفر نے سامنے کا پٹ کھول دیا۔ سحابی نے غور تک نہیں کیا۔ کپڑے سمیٹ کر اگلی ہی نشست پر بیٹھ گئی۔ گاڑی کا انجن آن تھا۔ فوراً ہی حرکت میں آگیا۔ گاڑی نگار کے گیٹ سے نکلی اور بڑی تیزی سے سڑک پر آئی۔ سحابی کا دل دھڑک رہا تھا۔ پتہ نہیں ابی کیسے ہیں۔ اس نے ڈرائیور سے پوچھا:

"شکور! جب تم گاڑی لے کے چلے ہو تو ابی کیسے تھے؟"

مگر شکور کچھ نہ بولا۔ سحابی نے گھور کر اسے دیکھا۔ وہ اس طرح رومال سے منہ سر لپیٹے بیٹھا تھا کہ جیسے سردی بخار سے اٹھ کر چلا آیا ہو۔ سحابی کو اس کی بدتمیزی پر غصہ آگیا۔

"بہرے ہو گئے ہو۔ میں پوچھتی ہوں۔ ابی کیسے ہیں......؟"

"وہ بالکل اچھے ہیں۔"

"تو پھر ____!" سحابی کے تن بدن سے جان نکلنے لگی۔ یہ آواز اس کے ڈرائیور عبدالشکور کی ہرگز نہیں تھی۔ یہ شارب بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ڈرائیور نے سر سے رومال کھولا۔

"فاران!!" سحابی کے لبوں سے چیخ نکل گئی اور وہ بری طرح سہم کر پٹ سے چمٹ گئی۔

"شکریہ! آج آپ کے ہونٹوں سے پہلی مرتبہ اپنا نام سنا ہے۔"

"روکو گاڑی۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ "میں چیخنے لگوں گی۔ میں کہتی ہوں روک دو! خدا کی قسم میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں گی۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ روک دو! روک دو!!"

"آپ اس قدر کیوں گھبرا رہی ہیں...... میری نازنین! بار نہیں دیکھ رہا

بتایئے تو میں آپ کو کس خوبی سے لے آیا ہوں ۔۔۔"

"مگر کیوں ؛ آخر کیوں ؟" اس نے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح انھیں جھنجھوڑ ڈالا " کیا مطلب ہے آپ کا ؛ آپ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں ۔۔۔۔ کیا سوچیں گے میرے ابی ۔۔۔۔ خدا کے واسطے مجھے واپس پہنچا دیجئے " اور منہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی ۔

" اگر آپ مجھے سیدھے منہ جواب دے دیتیں تو یہ ہرگز نہ ہوتا ۔ خدا کی پناہ کیسے ہولناک کوسنے دیئے ہیں آپ نے ۔ اگر وہ سب پورے ہو گئے تو میرا کیا حشر ہوگا ۔ آدھی رات کے اٹھنے والے جنازے سے تو میں خود بھی ڈر جاؤں گا "

" آپ کو شرم نہیں آتی "

" کس بات کی شرم ؛ "

" جھوٹ بول کر ایک غیر لڑکی کو آپ بھرے گھر سے اٹھا لائے اور اب جانے کہاں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے جا رہے ہیں ۔ یہ شریفوں کا قاعدہ نہیں ہے ۔ آپ بڑے کمینے اور لفنگے معلوم ہوتے ہیں "

ذاران نے قہقہہ لگایا ۔

" آپ سمجھتے ہیں میں ڈر گئی ہوں ۔ جی نہیں ۔ میں ڈرنے والی نہیں ۔ چلیئے جہاں جی چاہے ۔ لیکن اگر میں نے بھی ناکوں چنے نہ چبوا دیئے تو یاد رکھیئے گا "

" ابھی تو آپ رو رہی تھیں "

" غلط رو رہی تھی ۔ کسی شریف آدمی کے سامنے روتی تو وہ میرے آنسوؤں کی لاج رکھتا ۔ میں ایک بیہودہ بدمعاش آدمی کے سامنے رونے لگی تھی ۔ مجھے افسوس ہے ۔ چلیے اب گاڑی کسی کھڈ میں یا ندی نالے میں گرا دیجئے "

" کیوں ؛ آپ اپنی زندگی سے اتنی ہی بیزار ہیں "

"ہاں! تمہاری چند لمحوں کی ہم نشینی نے مجھے اپنی نظروں میں آپ ذلیل کر دیا ہے۔ اُف
تم یہ... اپنی محفل نیک، ہمدرد اور شریف آدمی سمجھتے ہیں۔ بے چارے [illegible]
کی [illegible] بہترائی۔

"تم بہت غلط سوچ رہی ہو سحابی!" فاران نے کہا "میں [illegible] بات نہیں بدل
سکتا۔ بس یہ تو میرا دل چاہتا تھا کہ کچھ دیر تمہارے ساتھ گزار دوں۔ تمہیں ایک بار
دیکھ لوں۔ مگر تم اس طرح گھبرا گئیں جیسے غریب کے سینے سے آرزو۔ کیا کرتا [illegible]
یہ حرکت کرنی پڑی۔ مجھے معاف کر دو۔ اگر کر سکتی ہو۔"

"میں بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ میرے ساتھ یہ 'تم۔ تم' نہیں چلے گی۔"

"تم۔ تم ہی چلے گی۔ تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو۔"

"آپ کو کوئی حق نہیں"

"حق وق کی پرواہ کون کرتا ہے۔"

"گاڑی واپس موڑ دو۔ میں گھر جاؤں گی۔"

"مجھے البتہ تیز اور شرارت سے مخاطب کر دو۔ بچا۔

"ہاں ہاں۔ ضرور کیا ---"

"کہہ دوں گا جا کر تمہارے ابی سے۔ تم بہانہ کر کے میرے ساتھ [illegible] نکلی تھیں۔"

"اللہ کرے، تمہاری زبان میں کیڑے پڑ جائیں۔"

"اگر اللہ کی مرضی ہوگی تو پڑ جائیں گے۔"

"گاڑی موڑیئے۔ میں واپس جاؤں گی۔"

"چلی جانا۔ اتنی جلدی کس بات کی ہے۔"

"آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"بہت کچھ چاہتا ہوں۔ تمہیں کیوں بتاؤں۔"

یا خدا! کیسا ڈھیٹ بے غیرت آدمی ہے۔ سحابی ششدر تھی۔ خوفزدہ بھی
تھی۔ دکھاوے کو اس نے دلیری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ویسے اندر ہی اندر نیم جاں
تھی۔ خدا جانے اس بدبخت کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے جل کر کہا "آپ مجھے دیکھ
چکے۔ براہ کرم واپس پہنچا دیجئے"

"ضرور۔ ضرور" انھوں نے کہا اور گاڑی ایک مشہور ہوٹل کے سامنے
روک دی۔ "اتر آؤ۔ ایک ایک پیالی کافی پینے میں کیا حرج ہے"

"ہوش میں رہیے۔ آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے" وہ بپھر گئی۔ فاران
مسکرا کر سٹیرنگ وہیل پر جھک گئے اور والہانہ انداز میں اس کا چہرہ تکنے لگے۔
سحابی کے تن بدن میں چنگاریاں سی چھوٹنے لگیں۔ وہ نظریں چرانے لگی۔

"اچھا تو میں ہی پیئے آتا ہوں" وہ بڑی مستعدی سے بولے۔ سحابی آگ
بگولا تھی۔ خاموش رہی۔ فاران نے انجن لاک کیا اور دروازہ کھول کر اتر گئے۔ سحابی
گھٹنوں پر سر جھکا کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کی کیسی ذلت ہوئی تھی۔ یہ بدتمیز لوفر
اسے زک پر زک دے رہا تھا۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا۔ نہ گھر پر چین لینے
دیتا ہے نہ گھر سے باہر۔ یہ تو ایسی واہیات بات ہے کہ وہ کسی سے کہہ بھی
نہیں سکتی۔ اپنی ہی رسوائی ہے۔ لیکن اس شیطان کے بچے نے جسارت کتنی
بڑی کی ہے۔ سحابی روتے روتے انھیں بڑے بڑے کوسنے دینے لگی۔

"سحابی!" اس کے کان کے پاس بے حد دلکش آواز گونجی

"کیا ہے؟" اس نے سر اٹھایا اور انھیں پھاڑ کھایا۔ اس کا سرخ
چہرہ آنسو بھری آنکھیں اور غصیلا انداز دیکھ کر فاران کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"کہہ تو رہا ہوں کہ واپس پہنچا دوں گا۔ کون سی قیامت آرہی ہے۔
ضد ہی سے کافی پی لو تو پھر چلیں!"

"پھٹکار پڑے کافی پر!"

وہ پھر ہنس پڑے۔ "میری قسم!"

"آپ کون میرے لگے ہیں۔ کھایا کیجئے ہزار بار قسم۔ میری بلا سے!"

"اچھی بات ہے۔ اگر تم نے کافی نہیں پی تو یاد رکھنا کہ ساری رات گاڑی یہیں کھڑی رکھوں گا!"

"کیا میں شور نہیں مچا دوں گی؟"

"بے کار ہے"

"کیوں؟"

"میں کہہ دوں گا کہ میری بیوی ہے۔ دماغی دورے پڑتے ہیں تو یونہی شور مچانے لگتی ہے!"

اس نے یکبارگی ان کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے اور دانت کچکچا کر بولی:

"خدا کرے کہ بجلی گرے آپ پر!"

وہ بڑی مشکل سے پیچھے ہٹے اور بڑی مشکل سے اس کی مٹھی سے اپنے بال چھڑائے۔ سحابی کے آنسو نکل آئے ۔۔۔ "آخر یہ آدمی کتنا زچ کرے گا؟"

"لو پی لو۔ شاباش۔ تم خود ہی دیر کر رہی ہو!"

اس نے سسکیاں بھرتے اور ہچکیاں لیتے زہر کے سے گھونٹ پیئے اور پیالی واپس کر دی۔ فوراً ان پر بے ساختہ ہنسی کا دورہ سا پڑ گیا تھا۔ انھوں نے پاس کھڑے ہوئے ویٹر کو پیالی تھما دی اور خود اسٹیئرنگ سیٹ پر آ بیٹھے!

"اچھا تو چلیں پھر؟" ۔۔ انھوں نے شرارت سے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا عمر بھر یہیں مرنا ہے؟" وہ بگڑ گئی۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی، آگے بڑھ کر یو ٹرن لیا اور واپس مڑ گئی۔

"میری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ میں نگار کے یہاں پہنچ کر کیا کہوں گی۔ سب کو معلوم ہوگیا ہے کہ میں ابّی کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ سے مجھے اس قسم کی زیادتی کی امید نہیں تھی" وہ بے حد نروس ہو رہی تھی۔

"ارے بابا تو چلی جانا اپنے ابّی کے پاس۔ وہ خوش ہو جائیں گے۔ تمہاری عدم موجودگی میں بے حد پریشان رہتے تھے۔ شادی تو دو تین روز بعد ہے"

"آپ خدائی فوجدار ہیں۔ کیا بلا ہیں۔ آپ کو ان سب باتوں کی کیا خبر؟"

"تمہاری سہیلی اِترا اِترا کر بتا رہی تھی۔ ورنہ مجھے کسی کی شادی وادی سے کیا غرض"

"اچھا اب بتایئے! میرے ابّی ہر طرح بخیریت تو ہیں نا؟"

"بالکل، تصویر کی انھیں بڑی فکر تھی وہ بھی دور ہو گئی"

"کیسی تصویر؟"

"تمہاری تصویر، ڈاکٹر صاحب کے فرزند چرا لے گئے تھے"

"ان پر خدا کی مار پڑے" سحابی سرخ ہو گئی۔

فاران نے ہنستے ہوئے کہا "نہیں اُن پر خدا کی مار نہ ڈالو۔ یہ تو سید صاحب بھیجے تھے مگر دراصل..."

"کیا دراصل؟ میں سارا سب سمجھوں گی۔ ایک ایک کو میری تصویر دکھاتا پھرتا ہے"

"بیکار ہے اس سے سمجھنا۔ تصویر میں نے سید صاحب کو واپس کر دی"

"آپ نے چرائی تھی؟" سحابی نے حقارت سے پوچھا۔

"کیا کرتا؟ ایک کاپی نکلوانی تھی، نکلوا لی۔ اصل تصویر بحفاظت تمام سید صاحب کو یہ کہہ کر واپس کر دی کہ ڈاکٹر صاحب کے فرزند کو لڑکی پسند نہیں آئی۔ لہٰذا تصویر واپس مرسل ہے"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک لیکچرر بھی اس قدر خونخوار ہو سکتا ہے۔" سحابی نے
نے کہا اور اسٹیرنگ وہیل پکڑ لیا۔ "میں اسی سڑک پر گر کر جان دے دوں گی۔ اگر آپ نے
میری تصویر مجھے نہ دے دی۔"

"تمھارے ساتھ میں بھی جان دے دوں گا۔ کوشش کر دیکھو۔ مگر تصویر ہرگز
نہیں واپس ہوگی۔"

"اچھی بات ہے۔ لیکن یاد رکھیے آپ نے اُسے کسی ناپاک مقصد کے لیے استعمال کیا تو
میں خدا کی قسم زہر کھا کر مر جاؤں گی۔ ابی مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ اگر ان کی کوئی نظر
مشکوک ہو کر مجھ پر پڑی تو وہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی ـــــ کیا آپ کی کوئی
بہن نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"اگر ہوتی تو آپ ایسی رکیک حرکتیں نہ کرتے پھرتے۔ آپ کو خیال آتا کہ جیسی میں
ہوں ویسی ہی آپ کی بہن بھی ہے۔"

"بہت ٹھیک کہتی ہو۔"

"میں ابی سے کہہ دوں گی کہ اس طرح آپ نے مجھے شارب کی آواز میں دھوکا دیا تھا۔"
اُس نے دھمکایا۔

"میں فوراً انکار کر دوں گا۔ سوچو! ابی کی نظروں میں تمھاری کیا پوزیشن ہوگی۔"
سحابی حیرت سے انھیں گھورنے لگی۔ وہ مسکرائے۔ "تم نے مجھے بھنبھوڑا تھا...
بال پکڑ لیے تھے۔ ابھی تک بالوں میں درد ہو رہا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ تمھیں کیا سزا
دے سکتا ہوں۔"

"میری زندگی حرام کر دیجیے، رسوا کر دیجیے مجھے ساری دنیا میں۔ میں کسی کو منہ دکھانے
کے قابل نہ رہوں۔ اس سے زیادہ کون سی سزا ہو سکتی ہے؟" سحابی بولی اور

ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

"بات بات پر رونے بیٹھ جاتی ہو۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی بزدل ہو۔ آنسو پونچھ لو۔ تمھارا گھر نزدیک آ رہا ہے۔" گاڑی کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ پھر وہ اس کے گھر سے دس قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ سحابی کی جان میں جان آئی۔ جلدی سے پٹ کھول کر وہ اتر گئی، چند قدم چلی، پھر پلٹ آئی اور بڑے التجائیہ لہجے میں بولی:

"خدا کے واسطے میری تصویر مجھے دے دیجیے۔"

"کیسی تصویر؟ بھلا میں کسی کی تصویر کیوں اپنے پاس رکھنے لگا۔ اچھا شب بخیر! خدا حافظ۔"

وہ فٹ پاتھ پر کھڑی رہ گئی؛ غصے میں آگ بگولا ہوئی، غم کے مارے پگھلتی ہوئی۔ فاران کی کار، سڑک پر پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

سید صاحب اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ اکیلے بیٹھے بلٹز پڑھ رہے تھے۔ شارب دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے چلا گیا تھا۔

"کیوں بیٹی! خیریت تو ہے؟ کیسے آ گئیں؟"

"وہاں اتنا شور و غل تھا ابی! میرے سر میں درد شروع ہو گیا۔ میں نے سوچا دو دن آرام کر کے شادی کے دن پھر چلی جاؤں گی۔"

"بہت اچھا کیا! شارب کا بھی جی نہیں لگ رہا تھا۔ تمھارے بغیر گھر کی وہ صورت ہی نہیں رہ گئی تھی۔"

"آپ نے کھانا کھا لیا ابی؟"

"ہاں، وہ بے چارے فاران میاں چلے آئے تھے۔ آج تو اپنے گھر سے کھانا لے آئے تھے۔ اصرار کر کے کھلایا تھا۔ بہت نیک آدمی ہیں۔ وہ کھانا کھا کے اپنے کسی کام سے گئے اور ہم اخبار لے کے بیٹھ گئے۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔"

سحابی پھر سلگ اٹھی ــ پتہ نہیں یہ آدمی اب کون سا چرکہ دے گا۔ وہ سید صاحب کا بستر صاف کر کے اپنے کمرے میں آ گئی ـ

کھڑکی کا پردہ برابر کیا اور بستر پر آ لیٹی ـ آج کے واقعے پر سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا ـ کبھی وہ فاروق ان کو اچھا سمجھتی ـ کبھی پرلے سرے کا بدمعاش ـ پھر اُسے شرم آنے لگی ـ کس طرح انہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا ـ

پھر دفعتہً ہواؤں کے دوش پر تیرتی ہوئی وائیلن کی مدھر لے سنائی دی ـ مگر اس نے جھانکنے کی ہمت نہیں کی ــ کیا معلوم ـ یہ بدمعاش بدنظر کیا کرے کیا نہ کرے ــ چپ چاپ لیٹی سنتی رہی ـ حتیٰ کہ ساز خاموش ہو گیا ـ

حسب وعدہ اسی ہفتہ کنگ من موہن اس کے گھر آ دھمکی ـ سید صاحب نہیں تھے ـ وہ شارب کو سحابی کی ملازمت کے سلسلے میں ورغلاتی رہی ـ شارب جلد ہی راضی ہو گیا اور شرارت سے بولا ــ "ہاں! کم از کم ان کی تنخواہ سے اپنی کا جہیز جوڑ لیا جائے ـ ابّی کی پنشن میری بیوی کے کام آئے گی "

"بے غیرت! بے شرم!!" کنگ نے اُسے گالیاں دیں ــ "ابھی سے بیوی کے نام کی مالا جپنے لگا "

"دیکھیے مس موہن! آپ میرے سامنے فرقہ وارانہ لفظ مت بولیے ــ" شارب نے اُسے دھمکایا ـ

"کیا بولی تھی میں؟ " کنگ نے آنکھیں نکالیں ـ

"آپ ہی کہہ رہی تھیں کہ 'مالا جپنے لگا' ـ یہ خالص بالکل نجس یعنی شدھ ہندی ہے"

میں کہتا تو یہ کہتا کہ بیوی کے نام کی تسبیح پڑھنے لگا ہے۔" شارب نے محققانہ شان سے وضاحت کی۔

"چپ ہو جا گھٹے! " کنک للکاری ۔" مجھے تو دھیان بھی نہیں تھا۔ میں اردو ہندی نہیں مانتی۔ سچ پوچھو تو اردو کا کلمہ پڑھتی ہوں۔"

"بھگوان بلیس یو۔ اب بولیں آپ اردو دانہ لفظ۔" شارب نے عقیدت سے کہا۔" بے ہنر۔"

"تم بھاگو یہاں سے۔" سحابی نے اس پر تھپڑ تان کر کہا۔" چائے بھیجے جانا! اور امی آئیں تو مطلع کر دینا!"

"ہوں چھے۔" اس نے کنک من موہن کو دیکھ کر لفنگے پن سے آنکھ دبائی اور اس سے قبل کہ وہ اس پر جھپٹ پڑتی، باہر بھاگ گیا۔

"یہ تو بتاؤ! میں اپنے قد سے بڑے بدمعاشوں کو پڑھاؤں گی کیا۔؟" سحابی سخت فکرمند ہو کر بولی ۔ "تم انھیں پڑھاتے پڑھاتے تھک گئی ہو۔ مجھے تو ڈر لگتا ہے۔"

"ہمارے سپروائزر صاحب کا رعب ایسا کچھ لوفروں پر چھایا ہوا ہے کہ وہ لوگ چاہے باہر نکل کر شیطان کے باپ بن جاتے ہوں، مگر کالج کے اندر پکے اولیاء اللہ بنے رہتے ہیں۔ ادھر سپروائزر صاحب کی آواز سنی اور ادھر ان کی سٹی گم ہونے لگی۔" کنک نے بتایا۔

"تم کیا پڑھاتی ہو؟"

"میں تو پارٹ ٹائمر ہوں۔ دو گھنٹے اس کالج میں اور باقی پیریڈ دو میتس کالج میں۔ مختلف مضامین لیتی ہوں۔"

"اللہ کرے کہ امی مان جائیں۔" سحابی بولی ۔" میں بھی گھر میں رہتے رہتے بور ہو گئی ہوں۔"

"پریشان مت ہو۔ میں تو ہوں وہاں۔ اگر جی گھبرائے تو چلی آنا۔ اب اور کیا چاہیئے"

دونوں میں دوپہر تک باتیں ہوا کیں۔ کھانے تک سید صاحب بھی آ گئے۔ پھر میز پر گنگ نے تھوڑی بہت تمہید اٹھائی اور سید صاحب سے کہا کہ وہ سحابی کو بھی اس کے کالج میں کھپا دیں۔

"ملازمت کے لیے کہہ رہی ہو نا بیٹی؟" سید صاحب حیران تھے۔

"جی ہاں، چاچا جی! آخر یہ گھر میں رہتی ہے۔ کیا کرتی ہے؟ وہاں کرنٹ نالج ملتا رہے گا اور پھر مہینے بھر بعد مفت کی تنخواہ، سات آٹھ سو الگ۔ بہت اچھا موقع ہے"

"بیٹی! ہم نے تنخواہ کا لالچ تو کبھی نہیں کیا" سید صاحب بولے۔ "خدا کے فضل سے اسے کمی کسی بات کی نہیں۔ خیال صرف اس کا ہوتا ہے کہ کالجوں میں بے راہ روی اور بیہودگی عام ہے"

"مگر وہ ایسا کالج نہیں۔ آپ سحابی کو ایک چانس دیجیے۔ یہ کچھ آگ ورڈ محسوس کرے تو چلی آئے۔ آج تو چھٹی تھی۔ میں کل صبح نو بجے اسے لینے آئی تو آپ روکیے گا نہیں"

"کیا نام ہے تمہارے کالج کا؟" سید صاحب نے پوچھا۔

"مولانا آزاد جونیر کالج"

"ابی! میں صرف ایک ہفتہ جا کے دیکھوں گی" سحابی نے دبے الفاظ میں کہا۔

"ارے ابی! یہ دونوں لڑکیاں آپ کو دھوکا دے رہی ہیں" شارب بولا۔ "گھر سے کالج کا بہانہ بنا کر جائیں گی اور سات روز تک مسلسل پکچر بازی

اور شوپنگ ہوتی رہے گی "

"ہرٹ!" کنگ نے اُس پر چھپ پھینک مارا "تو کیوں چلا جا رہا ہے؟"

"اپنے جیسا ہم کو بھی سمجھ رکھا ہے" سحابی اُس پر الٹ پڑی "یہاں کہہ کے جاتا ہے کہ نماز پڑھنے جا رہا ہوں اور دو تین غنڈوں کے ساتھ مل کر سینما میں ٹھیک مارنے چلا جاتا ہے"

"توبہ کرو بچیا! اللہ تعالیٰ سے ڈرو!" شارب نے غیرت دلائی "میرے دوستوں میں ایک سے ایک اللہ والے بزرگ ہیں۔ حضرت مولانا سید جمیل احمد صاحب، رمضان المبارک میں پابندی سے ایک روزہ ضرور رکھتے ہیں۔ جناب عبداللہ مہدی صرف جمعہ کے روز کسی سینما ہاؤز کے قریب تک نہیں پھٹکتے اور مابدولت خاکسار ہیچ مداں مولانا سید محمد شارب صاحب حیدرآبادی اتنے فیاض اور دریا دل ہیں کہ عید کے عید غریب غربا میں اپنی ساری دولت ایک روپیہ ضرور تقسیم کر دیتے ہیں۔ اب بتاؤ بچو! تم اتنے بزرگان دین کی شان میں گستاخی کر رہی ہو! غنڈے بنا رہی ہو!"

"سحابی اور کنگ ہنس رہی تھیں۔ سید صاحب نے بور ہو کر کہا "اچھا بیٹی! صرف ہفتہ بھر کے ٹرائیل کے لیے ہم راضی ہیں۔ لیکن اگر کوئی معمولی سی شکایت بھی ہم نے سُنی تو پھر ہم مجبور ہو جائیں گے کہ...."

"ارے چاچا جی! تب تو ہم خود اس پوسٹ پر لعنت بھیج دیں گے" کنگ چمک کر بولی۔

کھانے کے بعد سید صاحب چلے گئے۔ دونوں اٹھنے لگیں تو دروازے میں شارب راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا بدمعاشی ہے رے؟" کنگ نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا کمیشن سیدھے ہاتھ سے رکھ دیجئے دیدی" اس نے جواباً دھمکایا۔

"ورنہ ایسی ایک کی چار لگاؤں گا ابّی سے کہ بجّو تو بجّو آپ بھی گھر پر ہاتھ رکھ کر رو دیں گی۔"

"ارے کا ہے کا نیرا کمیشن؟" لنک نے اس کے سینے پر تھپّڑ مار کر اپنی پیشانی پیٹ ڈالی۔

"کچھ باؤلا ہوا ہے شارب۔" سحابی نے رعب جمایا۔

"قسم سے دیدی!" شارب نے کہا۔ "مہینے بھر سے ترس رہا ہوں۔ اچھے اچھے فلم لگے ہوئے ہیں۔ ابّی کے آگے دال نہیں گلتی۔ اسے بلیک میلنگ سمجھیے۔ ورنہ میں ابّی کو بھڑکا دوں گا کہ آپ آوٹ ڈور پکنک پر گئی ہیں۔ ملازمت کا نقطہ بلند تھا۔"

"بدذات! بے غیرت!!" لنک نے دانت پیسے مگر پرس سے دس کا ایک نوٹ نکال کر پھینک مارا۔ شارب نے فوجیانہ انداز میں سیلوٹ کیا اور بولا:

"بھگوان کرے آپ کو ایسا چاند سا دولہا ملے کہ گھر بھر میں اجالا پھیل جائے اور بجلی کا بل بچ جائے۔"

"اچھا اب دفع ہو جاؤ!" سحابی بولی۔

"یس سر!" اس نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم کر اکڑتا چلا گیا۔

دونوں انیکسی میں گارڈن چیرز ڈال کر بیٹھ گئیں۔ انیکسی کے سامنے ذاکرن کی کوٹھی کا برآمدہ تھا اور اس وقت وہ لانگ ایزی چیئر پر نیم دراز بڑے آرام سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہے تھے۔ سحابی کا دل بڑی شدت سے دھڑکا ــــ اگر انھوں نے کوئی غلط حرکت کی تو کیا ہوگا؟ آگ کی طرح اس کے کان جل اٹھے۔ لنک تو بے چاری کچھ جانتی بوجھتی نہیں، وہ کیا سمجھے گی؟ پتہ نہیں کہ لنک نے کیا بکنے جا رہی تھی۔ وہ الٹی سیدھی ہوں ہاں کر کے دیوانوں کی طرح ادھر ادھر تکتی رہی۔

"چلو ذرا پھر دیکھنے بیٹھیں۔" لنک بولی اور بے تحاشہ ہنس پڑی۔ "شارب

فرمائیں گے۔ پھر ایک گھنٹے تک ورزش ہوگی اس کے بعد آرڈر آئے گا۔ سیر بھر دودھ نیم گرم ان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس کے بعد موٹا سا پان پی کی میں چھوکر نوش فرمائیں گے۔ پھر۔ پھر ——"

"خواہ مخواہ بیزار ہوتی ہو بی بی!" رضیہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ "سب کام غفور، اور کریم مل کر کرلیں گے۔ تمہارا کیا ہے"

حقہ بھی تو پیتے ہیں"

"پیا کریں۔ تمہیں تو پینے پر مجبور نہ کریں گے"

"تم چچی جان کو بھول گئیں" سحابی بے حد بیزار ہو کر بولی۔ "یہاں ان باتیں کرنے والا میرے سوا اور کون ہوگا۔ صبح سویرے سے رات گئے تک بھیجا چاٹا کریں گی۔ اللہ رضیہ! ان کے بے تحاشہ موٹے پن سے میرے کلیجے میں پنکھے لگ جاتے ہیں۔ اللہ جانے وہ اتنا وزن اٹھا کے چلتی پھرتی کیسے ہیں"

"بی بی! تم یہ بھول گئیں کہ کل سے تمہیں کالج جانا ہے۔ بھلا چچی جان کی بکواس سننے کو تم گھر میں رہوگی کہاں؟"

سحابی نے خوش ہو کر رضیہ کی پیشانی چوم لی "سچی۔ میں تو بھول ہی گئی تھی"

کمرے تو اُسے بہر حال صاف کرانے ہی پڑے۔ گلدان میں تازہ گلدستہ بھی ٹھونس دیا۔ کیا پتہ کہ وہ لوگ کب آجاتے۔

سحابی کی نظر سامنے برآمدے پر پڑی۔ فاران کے پاس بیٹھے تینوں پیارے پیارے سے بچے کھیل رہے تھے۔

"انہی کے بچے ہیں؟" سحابی نے رازداری سے رضیہ سے پوچھا۔

"ہاں، شاید انہی کے ہیں"

"بچے رکھتے ہوئے اتنے بدمعاش ہیں"

رضیہ ہنس پڑی — "عورتیں بھی تو چار چار بچے رکھ کر پرائے مردوں کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں"

"دور کرو موئی بے شرم عورتوں کی باتیں" سحابی نے کہا۔

انھیں گمان تھا کہ چچا جان اسی رات کو مع کنبے کے وارد ہو جائیں گے۔ مگر وہ نہیں آئے۔ شارب رات کے دس بجے آیا۔ کھانے کے دوران میں سحابی نے اُس سے کہا کہ "چچا جان و چچی جان آرہے ہیں" نوالہ ہاتھ سے رکھ کر شارب نے کہا:

"دونوں کس کمرے میں سمائیں گے ؟"

"اللہ جانے" سحابی نے مغموم ہو کر ہونٹ لٹکا لیے۔

"میں تو بھئی بھاگ جاؤں گا اُن کے رہنے تک"

"میں بھی بھاگ ہی جاؤں۔ خدا سلامت رکھے کنک کو، وہ آج ہی سرور کی نوید لائی"

رات بھر سحابی کو موٹے چچا جان کے خواب دکھائی دیتے رہے۔ اور تعبیر یہ نکلی کہ وہ صبح آٹھ بجے آدھمکے۔ سحابی ابھی سردی سے کانپ ہی رہی تھی کہ اُسے امّی نے بُلا بھیجا۔

جب وہ گئی تو دالان میں شارب پہلے سے موجود تھا۔

"آخ خاہ!" چچا جان نے نعرہ مارا "یعنے یہ ہماری بیٹی ہے۔ بھئی واللہ! نظر لگی جاتی ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ بیگم! آپ نے دیکھا؛ جب ہم آخری مرتبہ مرحومہ بھابی کی زندگی میں یہاں سے رخصت ہو کر عازم بنگلور ہوئے تھے تب یہ بمشکل بارہ تیرہ سال کی رہی ہوگی اور آج ماشاء اللہ پہچانی نہیں جاتی ہم کہتے

ہیں کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیاں ماشاءاللہ تیزی سے بڑھتی ہیں۔ ارے وہ اپنی راشدہ تھی نا! چودہ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی اور اب وہ چوبیس برس کی عمر میں پانچ بچوں کی ماں ہے۔ اس کے موازنے میں اپنے شارب کو دیکھ لو۔ یعنے بالکل جہاں کا تہاں " انھوں نے نہایت گونجدار قہقہہ لگایا۔

" اب چچی جان نے اسٹارٹ لیا " آ بیٹی! میرے کلیجے سے لگ جا۔ تجھے دیکھ کر بھابی کی یاد آ گئی۔ خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ کہا کرتی تھیں کہ آپا! ماں مرے موسی جئے۔ پتہ نہیں کہ کیسی بری گھڑی تھی کہ دعا قبول ہو گئی۔ میں نے ہزار کہا کہ بھابی خاک زبان فال قرآن۔ ہر وقت ایسا نہ کہا کرو! مگر کوئی کہلواتا تھا ان سے —— میں تو اپنی چاند ایسی بٹیا کو اب اپنے سے الگ نہیں کروں گی "

" ناشتے میں کیا لیجئے گا؟ " گھبرا کر سید صاحب نے کہا " ہمارا خیال ہے کہ پہلے آپ لوگ ہلکا سا ناشتہ کر کے ایک ایک کپ کافی پی لیجئے، پھر نہا دھو لیجئے تو تفصیل سے ناشتہ ہو "

" میں نہا کر ابھی حاضر ہوا " شارب سر کھجا کر بولا اور جواب سنے بغیر بھاگ نکلا۔

" اس سردی میں نہلا کر مار ڈالنا چاہتے ہو میاں! " چچا جان نے پھر ایک قہقہہ داغ دیا " ہم تو موسم سرما میں مہینے کے مہینے نہاتے ہیں اور پھر مسلسل ہفتہ بھر نزلہ زکام کا شکار رہتے ہیں۔ البتہ تم اپنی بھاوج کو غسل خانہ دکھا دو۔ روز نہاتی ہیں اور اس وقت تک ٹب سے باہر نہیں نکلتیں جب تک کہ خود ہی برف نہ بن جائیں۔ ہم نے ہزار کہا کہ بھئی بیمار پڑ جاؤ گی تو ایک مصیبت کھڑی ہو جائے گی صاحب! ان کی بیماری بھی ایک عذاب ہے۔ یعنے محترمہ کا ڈیل ڈول آپ دیکھ رہے ہیں نہ ادھر کروٹ بدل سکیں نہ ادھر۔ فیل وہ مچاتی ہیں کہ العیاذ باللہ۔ ڈاکٹر کو

و تیوں نبض نہیں ملتی "

" ابا جان! بکس باہر رکھوا دیے " دفعتہً ایک نوجوان صاحب کمرے میں آئے۔ سحابی کو بے حد ناگوار گزرا۔ اُس نے سر جھکا لیا۔

" لے لو بیٹی! تم اپنے بھائی سے نہیں ملیں " بیگم نے فرمایا۔ " سچ تو ہے اسے بھلا یہ کیا یاد ہوں گے۔ مگر محسن تم کو تو اپنی سحابی یاد ہو گی۔ یاد نہیں؛ کہ کس طرح اپنی گڑیوں کی شادی کرتی تھی تو تم سے نکاح پڑھواتی تھی "

سحابی کے ذہن میں ہلکی سی یاد کی جھلک چمکی اور معدوم ہو گئی۔ رسماً اُسے سلام کرنا پڑا۔ جس کا اُسے شریفانہ جواب ملا۔

ابی بھی بدحواس ہو گئے تھے۔ جلدی سے اپنے محترم بھائی صاحب کو کمرے سے نکال لے گئے۔ بیگم صاحبہ جو سچ مچ بیجاپور کا گنبد تھیں، بڑی مشکل سے اپنا جسم سمیٹ کر کمرے سے نکل سکیں۔ سحابی نے سوچا کہ اُسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ حضرت محسن صاحب بھی تشریف لائے ہیں۔ وہ کمرے میں کھڑے تھے۔ سحابی ان سے مخاطب ہوئے بغیر پچھلے دروازے سے نکل گئی۔

ناشتے کی میز پر وہ جان بوجھ کر نہیں آئی۔ بھیجے کی جوئیں ہل گئی تھیں۔ اسے شدت سے کنگ کا انتظار تھا۔ شارب اپنا ٹفن لے کر گھر سے بھاگ گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی غسل کیا۔ پرس میں اپنی سندیں اور ضروری چیزیں رکھیں، پھر کنگ کے انتظار میں برآمدے میں ٹہلنے لگی۔

اچانک اُس کی ناک سے سگریٹ کی مہک ٹکرائی، وہ مُڑی۔ محسن ایک کین چیئر پر بیٹھے لمبے لمبے کش لگا رہے تھے۔ شاید انھوں نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی وہ کروٹن کے قدِ آدم گملے کے پیچھے سے نکلی، انھوں نے جلدی سے سگریٹ پھینک دی اور کچھ شرمندہ بھی نظر آئے۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟" وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"جی ہاں۔" اُس نے تلملا کر جواب دیا۔

"آپ پڑھتی ہیں؟"

"جی نہیں، پڑھاتی ہوں۔"

"اچھا......؟"

وہ بھنّا کر چپ ہو رہی۔

"آپ کب تک واپس آ جائیں گی؟"

"شام کے چھ بجے تک ــــ کیوں؟"

"کچھ نہیں، میں نے سوچا تھا کہ یہاں آنے کے بعد آپ سے کچھ گپ شپ رہے گی۔ لیکن..."

اتنے میں کنگ اپنی کار سے اُتری اور "ہیلو" کا لٹھ رسید کیا۔ اپنے خوش رنگ لباس میں وہ بڑی حسین لگ رہی تھی۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے محسن کی طرف دیکھا پھر سحابی کو تکنے لگی۔

"ابّی کے بھتیجے!" اُس نے ہونٹ سکوڑ کر سرگوشی کی اور کنگ کا ہاتھ تھام کر زینہ اُتر گئی۔ اتنی بداخلاقی ہو گئی کہ محسن سے خداحافظ بھی نہیں کہا۔

گاڑی نظام کالج کے شاندار پورٹیکو میں جا کر رک گئی۔

کنگ اُتری اور اُس نے سحابی کی طرف والا پٹ کھولا۔

سامنے ہی جلی حرفوں میں "نظام کالج" لکھا دیکھ کر سحابی نے بڑی تیزی سے

پلکیں جھپکائیں۔

"تم نے تو اَبّی کے سامنے کچھ اور نام لیا تھا؟"

"ارے اترو بھی!" کنگ نے دانت پیسے۔ "وکیل کی نانی! ہر جگہ ہر وقت حجت کرنے لگتی ہو"

"اللہ کنگ! واپس چلو! اَبّی کو دھوکا دینا اچھا نہیں ہے"

کنگ نے درجنوں لڑکے لڑکیوں کے سامنے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے کھینچ لیا اور اپنے ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی دو بجے تک لے کے پھر آئے۔ کنگ اُسے اپنی کار میں لائی تھی۔

بے شمار فیشن ایبل اور خوبرو لڑکے وہاں چل پھر رہے تھے۔ لڑکیاں شوخ و حسین لباس میں تتلیوں کی مانند یہاں وہاں اُڑتی پھر رہی تھیں۔ کنگ نے محسوس کیا کہ وہ بالکل "ڈمی" کی طرح اس کے ساتھ کھنچ رہی ہے۔ اُسے بہت غصہ آیا۔ اُس نے دانت پیس کر سرگوشی کی:

"قسم کھاتی ہوں سحابی! تمہیں یہیں چھوڑ کے چلی جاؤں گی اگر سیدھی طرح نہ چلیں"

"دَم پھولا جاتا ہے" وہ نروس ہو رہی تھی۔

"لڑکے ہی تو ہیں کون سا تمہیں نگل جائیں گے"

"انہیں کو پڑھانا پڑے گا؟" سحابی دنگ تھی۔

"نہیں، ان کے باپ آئیں گے تم سے پڑھنے"

"اچھا ہاتھ چھوڑ دو! چل تو رہی ہوں" بے چاری نے ہتھیار ڈال دیے۔

"اگر تمہارے اَبّی کے سامنے نظام کالج کا نام لے دیتی تو پھر قیامت تک وہ راضی نہ ہوتے"

"اگر اَبّی یا شارب کبھی تمہارے نام نہاد مولانا آزاد کالج پہنچے تو پھر؟"

"شارب کو کیا پرواہ ہے۔ ابی پُرانے خیالات کے شریف آدمی ہیں۔ وہ ہرگز کسی زنانہ کالج پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"بڑی مکّار ہو!" سحابی نے تھک کر کہا۔

"کنکت ہنس دی۔

وہ اُسے لیے ہوئے نہ جانے کدھر کدھر سے گزری۔ اور بالآخر ایک سیمنار پر پہنچ کر رک گئی۔ چپراسی سے کچھ گفتگو کی، پھر سحابی سے بولی۔ "آؤ! اندر بیٹھیں۔ ابھی سپروائزر صاحب نہیں آئے۔"

"سپروائزر صاحب کے اختیار میں کیا ہے؟"

"وہ سکنڈ چانسلر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی فوزیہ کا تقرر انہی کی سفارش سے ہوا تھا۔"

"ایسی کی تیسی! میں نہیں چاہتی سفارش۔ ایسی ذلیل بات!"

"تو بیگم صاحب! کون سی ملازمت اپنے پاؤں سے چل کر آپ کی خدمتِ اقدس میں پہنچے گی۔"

"زبردستی۔"

"زبردستی ہی تو کرنا پڑتی ہے۔ تم جیسے اوندھی کھوپڑی کے لوگ سیدھی انگلیوں سے کب گھی نکلنے دیتے ہیں۔"

سحابی بے بسی سے سیمنار کا جائزہ لینے لگی۔ بڑا پرسکون ماحول تھا۔ ساؤنڈ پروف دروازے، اُن میں دبیز شیشے جڑے ہوئے تھے۔ دیواروں کے ساتھ برابر برابر الماریاں لگی تھیں جو پتہ نہیں کے ہزار کتب سے لبریز تھیں۔ منقش چھت میں دو پنکھے ٹیوب لائٹ کے ساتھ اٹیچ تھے۔ ایک روح پرور ٹھنڈک فضا میں رچی بسی تھی۔

"ایک کتاب نکالوں تب تک؟" سحابی نے پوچھا۔

"ہائے رام! اتنی بدھو کیوں ہو گئی ہو؟" کنک نے حیران ہو کر کہا۔ "یوں پوچھ رہی ہو جیسے کتاب نکالنے پر کوئی تمہیں توپ سے اڑا دے گا؟ پاگل! پہلے کتنی اسمارٹ ہوا کرتی تھیں۔ ارے کس سے مرعوب ہو گئی ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے؟"

"وہ بڑے بڑے لڑکے ——"

کنک پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ "بس تم پڑھا چکیں، وہ پڑھ چکے۔ سچ ہی بابا تم میری لٹیا بھی ڈبوؤ گی۔ چلو واپس چلیں۔ میں تمہارے منہ میں چھینی ٹھونس دوں گی۔ تم بنگھورے میں لیٹ کر آنخوں غنخے کیا کرنا۔ چڑیل! بدذات کہیں کی! کچھ تو ماسٹر آف آرٹس ہونے کی لاج رکھو۔ ان بڑے بڑے لڑکوں کو انسانی شکل کے گدھے سمجھو! یاد رکھو! جو فیشن میں گلے گلے تک غرق رہتا ہے، وہ پڑھ نہیں سکتا۔ تم انھیں الٹا سیدھا لیکچر دینا اور باقی وقت اسٹاف روم میں مزے کرنا۔ میں بھی تو ساتھ ہی رہوں گی۔ آفت کیوں ٹوٹی پڑ رہی ہے؟"

"پیر دائرز ابھی تک نہیں آیا؟"

"ہاں، وہ تمہارے سسرے کا غلام ہے جو ابھی تک نہیں آگیا، اگر وہ سن لیں تو؟"

"اچھا بھئی! محترم قبلہ پیر دائرز صاحب مدظلہم العالی ابھی تک تشریف نہیں لائے؟"

"یہ لب ولہجہ ہے اشرافوں کا۔"

"اشرافوں کیا بلا ہے؟"

"شرفاء کی جمع۔"

"تمہارا سر! کیا جمع الجمع بھی بناتی ہو؟"

"بہت سے شریفوں کا مجمع ہو تو مجبوری تو ہی جاتی ہے۔"

دونوں خوب خوب زور زور سے ہنس رہی تھیں۔ ساتھ ہی ان میں بکواس بھی جاری تھی۔

"شام کو شوپنگ کے لیے چلیں گے" کنک بولی۔ "میں نے سوپر بازار میں ایک نیا کپڑا دیکھا تھا گلاس کاٹن۔ اس کا سوٹ بہترین بنے گا۔ ہاں یہ تمہارے گھر میں نیا رنگروٹ کیسا نظر آ رہا تھا"؟

سحابی نے مختصر سی تفصیل سنائی۔ کنک نے دیدے نچائے۔

"میں سمجھ گئی"۔

"خاک نہیں سمجھیں۔ بتاؤ بھلا! کیا سمجھیں؟"

"چاچاجی نے انھیں خاص طور پر بلایا ہے"۔

"کیوں؟" سحابی کو شک گزرا۔

"تمہارے لیے۔ صورت شکل ان کی خاصی ہے۔ پڑھے لکھے بھی ہوں گے۔ چاچاجی نے سوچا ہوگا کہ غیروں سے لاکھ بار اپنے اچھے۔ اور پھر محسن صاحب کے والد اُن کے حقیقی کزن ہیں"۔

"بڑا تیر مارا تم نے لال بجھکڑ کہیں کی ـــ ارے کیا ابی مجھے گائے بکری سمجھتے ہیں؟ میری مرضی کچھ نہیں؟"

"بی بی! تم لڑکی ہو، مشرقی لڑکی۔ تمہاری حیثیت گائے بکری سے زیادہ نہیں، چاہے تم آسمان تک پڑھ لکھ جاؤ۔ لیکن اپنے باپ کی مجبوریوں کے سامنے زبان نہیں کھول سکو گی۔ بہتیری تیز طرار اور زبان دراز لڑکیاں بھی باپ کی آن اور غیرت پر بھینٹ چڑھ گئی ہیں۔ تم تو کم سخن، شریف اور بے زبان ہو۔ چاچاجی تمھیں اپنی مجبوریوں کا واسطہ دیں گے، اپنی ضعیفی کا خیال دلائیں گے۔ اور تم دیکھ لینا وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے"۔

"جی نہیں" سحابی نے سنبھالا لیا۔ "آپ اپنی اسٹرالوجی رہنے دیجیے۔ میرے ابی مجھے ہرگز مجبور نہیں کریں گے"۔

دفعتہً چپراسی نے ہاٹ ڈور سے جھانکا۔ کنگ اُدھر متوجہ ہوگئی۔

"صاحب آگئے ہیں۔ آپ کو جاگرفی ڈیپارٹمنٹ میں بلا رہے ہیں۔"

"ہم گھنٹہ بھر میں واپس آجائیں گے۔" کنگ نے چپراسی سے کہا۔ "تم ہمارے لیے دو کافی اور آدھا ییٹ پیسٹیز لیڈیز روم میں دے جانا۔"

"اچھا صاحب!"

"چلو!" کنگ نے مڑکر سحابی سے کہا اور بڑے تکلف سے اپنا لباس اور بال درست کیے۔ سحابی نے خود پر قابو پالیا تھا۔ کنگ نے جلدی جلدی اُس کی ساری کی فالیں ٹھیک کیں۔ سبز رنگ کی خوشنما ساڑی، سیاہ بلاؤز اور کھلے گلے کے سبز برساتی کوٹ میں سحابی نہایت حسین اور پُرکشش لگ رہی تھی۔

دونوں جلدی جغرافیہ کے ڈیپارٹمنٹ میں پہنچ گئیں۔

کنگ نے ہاٹ ڈور کھولا۔ اُس کے پیچھے سحابی بھی اندر چلی گئی۔ سپروائزر صاحب دونوں کی طرف پیٹھ کیے الماری سے کوئی کتاب نکال رہے تھے۔ کنگ نے اُس کا ہاتھ دبا کر اُسے حوصلہ مند رہنے کی تاکید کی۔

پھر وہ جیسے ہی دونوں کی طرف مڑے، سحابی پر بجلی سی گر کر جم گئی، بت بن گئی۔ کنگ نے انھیں سلام کیا۔ سحابی کو اس کا بھی ہوش نہیں تھا۔ وہ تو مبہوت تھی۔ اگر اُسے گمان بھی ہوتا کہ فاران یہاں کے سپروائزر صاحب ہوں گے تو وہ قیامت تک نہ آتی۔ فاران نے یوں مسکرا کر دونوں کو دیکھا کہ کنگ تو اپنی اہمیت کے زعم میں خوش ہوگئی مگر سحابی کے تلووں سے لگی اور تالو پر بجھی۔

"تشریف رکھیے۔" انھوں نے بے حد دلآویز اخلاق سے کہا۔

خون کے گھونٹ پی کر سحابی کو بیٹھنا پڑا۔ انھوں نے انگلیوں میں انگلیاں اُلجھا کر دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور بڑے شریفانہ انداز میں کنگ سے اُس کی

آمد کی وجہ پوچھی۔

"آپ سے میں نے تذکرہ کیا تھا کہ میری ایک دوست کو جاب کی ضرورت ہے"
کنگ بولی۔

"جی ہاں! جی ہاں!!"

"جاب تو ہوگا؟"

"کیوں نہیں"

"میری وہ دوست یہی ہیں" کنگ نے سحابی کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا؟"

"جی ہاں!"

سحابی بیٹھی پیچ وتاب کھایا کی۔ خدا کی پناہ! کیسی حقارت نصیب ہو رہی ہے۔ سید حسین احمد چیف انجینئر کی اکلوتی صاحبزادی ملازمت کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہیں۔ بھلا انھیں کمی کس بات کی ہے؟ وہ سرخ ہوگئی۔ بجلی گرے کنگ موہن پر! ایسی زبردستی کہ بالآخر اسے گھسیٹ ہی لائی۔

"کہیں پہلے بھی نوکری کر چکی ہیں کہ پہلی مرتبہ نوکری کرنے آئی ہیں؟"

نوکری! نوکری!! سحابی کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ اب اور کتنی ہتک کرے گا یہ آدمی۔

"جی نہیں! پہلی مرتبہ" کنگ مردار نے دانت نکال دیے "فرسٹ کلاس فرسٹ ایم۔ اے ہیں"

"اس سے کیا ہوتا ہے" انھوں نے مکاری سے کہا "جب تک پہلی ملازمت کا تجربہ نہ ہو"

کیا آپ پہلی مرتبہ کے تجربے سمیت پیدا ہوئے تھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ چیخے

مگر اپنی پوزیشن کا خیال کرکے زہر کے سے گھونٹ پئے خاموش بیٹھی رہی۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ میں ان کا انٹرویو لیتا ہوں۔ اس کے بعد کچھ کہہ سکوں گا۔"

"ان کے پاس سندیں وغیرہ ہیں" کنک یہ کہہ کر اٹھ گئی۔ "مجھے اجازت دیجئے! میرا وقت ہو رہا ہے"

"اچھی بات ہے"

"شکریہ جناب!"

"شکریہ کس بات کا؟ انٹرویو کے بعد ادا کیجئے گا" وہ ہنسے۔ صحافی نے سوچا اسی طرح مکار ہنسی ہنس کر پتہ نہیں کتنی بھولی بھالی لڑکیوں کو الو بنا چکا ہے۔ کنک اس نے گھنٹہ بھر بعد لیڈیز روم میں ملنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

"اپنی سندیں دکھائیے محترمہ!" ان کی مسکراہٹ صحافی کو زہر سے بدتر لگی۔

"کیوں ـــ؟" وہ پھنکار کر بولی۔ خوف کی جگہ اب غصے نے لے لی تھی۔

"تاکہ میں آپ کا انٹرویو لے سکوں"

"کنک من موہن پرلے سرے کی احمق ہے۔ مجھے نہیں کرنی ہے ملازمت"

"تو پھر کیا وہ پوسٹ خالی ہی رہے گا؟"

"میری بلا سے"

"سید صاحب سے چھپا کر آئی ہیں شاید؟"

"آپ سے مطلب؟"

"خیر، میں انھیں ابھی فون کرتا ہوں۔ آکے آپ کو لے جائیں۔ آپ میں لیکچرر شپ کی قابلیت ہی نہیں ہے"

"بکواس مت کیجئے۔ میں جا رہی ہوں"

"راستہ بھول جائیں گی"

"جی ہاں! چھوٹی سی بچی ہوں کہ راستہ بھول جاؤں گی"

"راستہ تو بڑے لوگ بھولتے ہیں محترمہ!"

"بلایئے اپنے چپراسی کو" وہ گرجی "مجھے لیڈیز روم تک چھوڑ آئے"

"میں خود آپ کے ساتھ چلتا۔ مگر یہ میری شان کے خلاف ہے۔ چپراسی کو بلائے دیتا ہوں"

اُس کی رعونت پر سحابی کے آگ لگ گئی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، پن کشن اُٹھا کر اس پر دے مارا۔ اور مارے غصے کے سُرخ ہو گئی۔

"آپ کا مطلب ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں" انھوں نے پن کشن ہاتھ پر روکا اور ہنستے ہوئے بولے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر آپ مجھے کیوں پریشان کرتے ہیں؟"

"کمال ہے مس حسین! کیا میں نے استدعا کر کے آپ کو یہاں بلایا تھا؟"

"تو پھر مجھے جانے دیجئے"

"بسم اللہ!" انھوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

سحابی بھنا کر مڑی۔

"لیکن سنیئے تو! میں مس موہن سے کیا کہوں گا؟ وہ مجھ سے انٹرویو کا رزلٹ پوچھیں گی"

"اللہ کرے آپ اور مس موہن دونوں مر جائیں"

"آہستہ بولیے" انھوں نے بدستور ٹھنڈے اور غصہ دلانے والے لہجے میں کہا۔

"کیا آپ کو خیال نہیں؟ یہ کالج ہے اور میں سپروائزر ہوں"

"بڑے خوبصورت سپروائزر کہیں سے آئے" اُس نے جل کر ہاتھ نچایا۔ بڑی دشواری یہ تھی کہ اُسے لیڈیز روم کا راستہ ہی معلوم نہیں تھا ورنہ کب کی چلی جاتی۔ ابھی کنگ

کے آنے میں بہت دیر تھی۔

"میں آپ کے لیے کافی منگواتا ہوں۔ آپ کے یہاں کے امرود کھاتا ہی رہتا ہوں۔ بدلہ تو بےشک اُتارنا ہی چاہیے۔"

"سنئے! اگر آپ نے ابی سے کچھ کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔" سحابی نے دھمکی دی۔

"سچ کہتا ہوں! آپ کو یہاں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ پھر خیال آیا کہ شاید شوپنگ وغیرہ کی خرافات کے لیے سید صاحب کا دیا ہوا جیب خرچ کم پڑتا ہو، تبھی ملازمت کی سوجھی ہے۔"

"کیا آپ کے یہاں سچ مچ کوئی جگہ خالی ہے؟"

"ہے کیوں نہیں۔ مگر آپ کے لیے نہیں ہے۔"

"میں کب کہہ رہی ہوں۔"

"آیئے! شرافت سے بیٹھ جایئے! آخر آپ ہر وقت لڑائی کے موڈ میں کیوں رہتی ہیں؟"

اُس نے سوچا کہ اِسے خفا کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کونے میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اُٹھ کر باہر نکلے اور دو منٹ بعد پھر آکر اپنی کرسی پر ٹک گئے۔ سحابی گم صم بیٹھی رہی۔

"آپ سید صاحب سے کہہ کے آئی ہیں نا؟"

"نہیں! مجھے زبردستی کنک لے آئی۔ مجھے ملازمت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔"

"اگر ضرورت بھی ہوتی تو میں اس کالج میں آپ کو کوئی جگہ نہ دیتا۔"

"کیوں؟" اس کے لہجے سے پھر اُسے غصہ چڑھا۔ "آپ کوئی بادشاہ ہیں یہاں کے؟"

"اچھی جگہ نہیں ہے۔"

"آپ کون سے اچھے ہیں؟" اُس نے جل کر کہا۔ فاران کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔
"بس آپ خود سوچیے" اُنھوں نے کہا "میرے ہی ایسے یہاں اور بھی ہزاروں ہیں۔ پھر یہ جگہ آپ کے لیے کیسے مناسب ہو سکتی ہے؟"
اتنے میں چپراسی ٹرے میں کافی اور کچھ الم غلم رکھ کر لایا اور ٹرے میز پر رکھ کر واپس چلا گیا۔
"آیئے!" فاران نے کہا۔
نہ جانے کیوں اُسے سخت غصہ آگیا۔
"لیجئے!" فاران نے اصرار کیا۔
"اس کی کیا ضرورت تھی؟"
"کیا ہرج ہے؟ رات سے خنکی زیادہ ہونے لگی ہے"
"جی نہیں، مجھے نہیں لگتی خنکی۔ میں نہیں پیوں گی"
"کیوں؟"
"کیوں پیوں؟" اُس نے اسے جیسے نوچ کھایا۔
"بس ایسے ہی رسماً کہہ رہا تھا۔ دراصل دونوں پیالیاں میں نے اپنے لیے منگوائی تھیں۔ اتفاقاً آپ کو دعوت دینی پڑی"
وہ اطمینان سے کیک کھانے اور گرم گرم لذیذ کافی پینے میں مشغول ہو گئے۔ یہ تو نہایت بُری بات ہوتی کہ سحابی کونے میں بیٹھی بیٹھی ان کے کھانے کا نظارہ کرتی رہتی۔ وہ لپک کر اٹھی اور راستے کی پرواہ کئے بغیر ڈیپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی۔
سیکڑوں بد دعائیں اس کی زبان پر مچل رہی تھیں۔ کوئی کوسنا ایسا نہ تھا جو اس نے نہ دیا ہو۔ گنگ کو بھی چھپتر ہزار گالیاں دیں۔ وہی احمقوں کی نانی اسے یہاں لائی اور مصیبت میں پھنسا کر خود کہیں اور ہضم ہو گئی تھی۔

اُس کے باہر نکلتے ہی فاراں نے اٹھ کر باہر جھانکا اور اپنے چپراسی سے کہا "جاؤ۔ نہایت تمیز اور ادب سے اُن میم صاحب کو لیڈیز روم میں پہنچا آؤ۔! خبردار! میرا نام نہ لینا"

چپراسی جھپٹا اور اپنے ایک ساتھی سے بلند آواز میں بولا "دو منٹ ٹھہر جاؤ! میں لیڈیز روم کی طرف جا کر ابھی آیا" اور لیڈیز روم کی طرف ہو لیا۔ اُس نے صحافی سے ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ لیکن اُس نے تو دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور لاپرواہی سے چپراسی کی گمنام رہبری میں لیڈیز روم تک پہنچ گئی۔

جب ذرا حواس درست ہوئے تو اُس نے سوچا کہ یہ تو بڑی غلط بات ہو گئی۔ اب نہ جانے کس انداز میں اور کون سے پیرائے میں فاراں اپی سے جھوٹ سچ لگائے گا۔ کیسا ڈھیٹ آدمی ہے۔ خدا اس کے شر سے شیطان کو بھی محفوظ رکھے۔ چکنا گھڑا۔ چاہے کچھ بھی کہہ لو۔ برا ماننا تو سیکھا ہی نہیں۔ ہنھ! لفنگا۔ بدمعاش کہیں کا۔ بیوی اور تین تین بچے رکھتے ہوئے یہ حرکت۔ غیر لڑکیوں سے مذاق دل لگی بازی فرماتے پھرتے ہیں۔ کیا مزہ آئے کہ وہ ایک گمنام فرضی شخصیت کی طرف سے اس کی بیوی کو ایک خط لکھے اور ان حضرت کے سارے کرتوتوں سے آگاہ کر دے۔ وہ بے بھاؤ کی پڑیں گی کہ ساری شوخیاں ہوا ہو جائیں گی۔

وہ سوچتی رہی اور غیر ارادی طور پر اس کا قلم سادہ ورق پر چلتا رہا:

"میں آپ کو آگاہ کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آپ یقیناً ایک شریف خاتون ہوں گی۔ آپ کے تین بچے بھی ہیں۔ اس سے آپ کی شرافت ظاہر ہے۔ مگر آپ کے شوہر جناب احسان احمد صاحب آپ کے برعکس ہیں۔ وہ انتہائی بدکردار، بدنظر اور لفنگے آدمی ہیں۔ کہنے کو اتنی ذمہ دار پوسٹ ہولڈ کرتے ہیں۔ مگر شرافت ان میں نام کو نہیں۔ بسرِراہ لڑکیوں کو

چھیڑتے ہیں۔ اُن سے مذاق فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک نہایت شریف اور اعلیٰ خاندان کی لڑکی کو زبردستی موٹر میں بٹھا کر لے اُڑے اور اسے پریشان کیا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ لڑکی کے باپ اور بھائی کو پتہ نہیں چلا ورنہ میرا کیا حشر ہوتا۔ آپ اپنے شوہر کی خبر لیجیے۔ بہتر ہو کہ انھیں کالج سے اٹھا لیجیے، گھر پر انھیں نگرانی میں رکھیے اور تاکنے جھانکنے پر پابندی لگا دیجیے۔ ورنہ آپ سر پر ہاتھ رکھ کر عمر بھر روئیں گی چونکہ میں آپ کا ہمدرد ہوں۔ اس لیے اطلاعاً آپ کو خبردار کر دیا ہے۔ باقی آپ جانیں۔

آپ کا ہمدرد، عبدالرشید نقط

خط احتیاط سے اس نے کاپی میں رکھ لیا اور یہ سوچ کر ہنستی رہی کہ جب یہ خط مسز احسان کو ملے گا تو کیا مزہ آئے گا۔ عجب نہیں کہ وہ ان محترم پر چڑھ دوڑیں۔ گھنٹہ بھر بعد کنگ واپس آئی۔ اس کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔

"مبارک ہو" وہ اس سے لپٹ گئی۔

"کا ہے کی مبارکباد دی" سحابی نے غصے کے مارے اسے ڈھکیل دیا۔

"میں سپروائزر صاحب سے مل کر آ رہی ہوں۔ تمھاری بہت تعریف کر رہے تھے کہہ رہے تھے کہ انٹرویو کے جواب تم نے ایسے اچھے دیے ہیں کہ آج تک کسی امیدوار نے شاید ہی کبھی دیے ہوں۔ جب چاہو پوسٹ پر آجاؤ"

"اچھا اچھا کل سے آؤں گی" سحابی نے دماغ ٹھنڈا رکھا۔ کیا فائدہ تھا کہ کنگ کو اپنے سارے رازوں کا امین بناتی۔ کنگ نے کافی اور پیسٹریاں منگوائی تھیں۔ کھانے کے دونوں دیر تک گپیں ہانکتی رہیں۔ کنگ کا ایک پیریڈ ابھی کالج میں تھا وہ خوش خوش چلی گئی۔ تب سحابی فاران پر بیٹھی دانت پیستی رہی۔ کیا جھوٹا مکار فریبی ہے۔ اب تو وہ خط پوسٹ کیے بغیر نہ رہے گی۔ واپسی پر اس نے

لفافہ خریدا اور فاران کا پتہ لکھ کر خط لیٹر بکس میں ڈال دیا۔

کنگت دوسرے روز کالج میں ملنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

بے حد تھکی تھکی وہ دالان میں آئی، چچا جان کی شکل پر نظر پڑی تو زیادہ بیزار ہوگئی۔ وہ تخت پر دراز گاؤ تکیہ رکھے اپنی سی جسامت کی کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ امی اور چچی جان باتیں کر رہے تھے، اُسے دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے۔

چچا جان نے کتاب اُلٹ کر توند پر رکھ لی اور نعرہ مارا "بھئی! ہماری بٹیا آگئی۔ کیسا سونا معلوم ہو رہا تھا گھر۔ میں تو کہتا ہوں کہ گھر کی رونق صرف لڑکیوں ہی کی ذات سے ہوتی ہے۔ کیا خدا کا قانون ہے صاحب کہ پیدا کرو، تربیت کرو، سینے پر سُلاؤ، آنکھوں پر سُلاؤ اور ایک دن اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دوسروں کو سونپ دو کہ لو میاں! امانت سنبھالو ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را"

انھوں نے تقریر میں زور پیدا کرنے کے لیے ٹھنڈی سانس بھری ہی تھی کہ موقع سُنہرا جان کر چچی جان بات لے اُڑیں۔

"اے ہاں اور کیا۔ دُکھ سہیں بی فاختہ کوّے انڈے کھائیں۔ ہم نے تو پانچ پانچ لڑکیاں بیاہی ہیں۔ تین تو دوبئی میں ہیں۔ برسوں سے نہیں آئیں۔ اے ہے! اُن کے لیے ایسا کلیجہ مسوستا ہے کہ کبھی کبھی تو میں گھنٹوں روتی ہوں۔ خط پتر بھی مہینوں نہیں آتا۔ وہ تو اپنے گھر بار سے خوش ہوں گی مگر میں اپنے جی کو کیا کروں ــــ"

"جی ہاں! آپ کی محبت کو کیسے قرار آئے" امی نے بے چارگی سے لقمہ دیا۔ پھر جلدی سے موضوع بدل کر سحابی سے پوچھا "کیوں بیٹی! کیا رہا؟"

"امی میں تو چلی آئی۔ وہاں مارکے اتنے بڑے بڑے لڑکے تھے" سحابی بولی

"گئیں کہاں گئیں؟" چچا جان نے تعجّب سے پوچھا۔

"سرکس کا ارادہ تھا چچا جان!" اُس نے جھٹ سے کہا اور ان کی بدحواسی کا لطف لینے لگی۔

"سرکس؟" وہ اس کے حسب توقع حواس باختہ ہوکر بولے "بیٹی! آخر یہ کیا سوجھی ہے تم کو۔ اللہ کا دیا کیا کچھ کم ہے۔ سیٹھ میاں! تم نے بھی لڑکی کو کھیلنے سے اجازت دے دی؟"

"ہم تو منع کر رہے تھے جناب!"

"نگوڑی کا ہے کی ملازمت" چچی محترمہ گویا ہوئیں "لڑکیوں کے دیدے کا پانی ڈھل جاتا ہے، منہ کی رو بہت اڑ جاتی ہے، چہرے پر ٹھیکرے ٹوٹتے ہیں۔ نہ بی بی! تمہارا ایسا ہی جی نہیں لگتا تو ہمارے ساتھ کچھ روز کے لیے لکھنؤ چلو۔ خوب سیریں کرنا۔ آج کل میں سنا ہے کہ نوید میاں اور بچوں کے بچے بھی لندن سے آنے والے ہیں۔ تم تو جانتی ہوگی نوید میاں کی بیوی رشیدہ کو فضل کریم کی لڑکی ہیں"

"نہیں چچی جان!" وہ ہنس دی۔

"کل سے تو تم نہیں جاؤگی نا؟" ابی نے پوچھا۔

"جی نہیں ابی! بدمعاشوں کا اڈا ہے وہ کالج"

"اچھا اب کھانا منگوایا جائے۔ کیوں بھائی صاحب؟" ابی کو جو کچھ بولنا ہوتا تھا وہ جلدی سے بول پڑتے تھے کہ شاید پھر موقع نہ ملے۔ سحابی کو بے حد ہنسی آئی۔ بھلا ابی جیسے تنہائی پسند، کم سخن انسان بھائی بھاوج کے شکنجے میں کیسے جکڑے گئے تھے۔

"میں کھانا لگواتی ہوں ابی!" وہ وہاں سے بھاگ آئی۔

رضیہ طعام خانے میں بڑے سلیقے سے ڈشیں لگا رہی تھی۔ شادؔ اب اُس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ بولا "کبھی تم آئینہ بھی دیکھتی ہو؟"

"کیوں؟" رضیہ نے تنک کر پوچھا۔

"مونچھوں میں کالک بھری ہے۔ ہمارے لیے یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ خدا مونچھوں میں کالک لگنے سے محفوظ رکھے"

رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر وہ پلیٹ رکھ کر الماری کے آئینے میں چہرہ دیکھنے لگی۔ واقعی اوپری ہونٹ پر تھوڑی سی کالک لگی تھی۔ اُس نے ہنس کر دوپٹے کے آنچل سے ہونٹ صاف کر لیے۔

"آپ اسی لیے مونچھیں نہیں رکھتے؟"

"ابھی نہیں نکلیں"

"اُس دن تو بنا رہے تھے"

"وہ داڑھی تھی"

"چلیے ہٹیے چھوٹے بھیا! آپ اُلّو بناتے ہیں مجھے"

"تم تو بنی بنائی ہو۔ تمھیں کیا بنانا"

"آپ باہر جائیے!"

"سانچی کے مقبرے میں دفن ہو جاؤں گا۔ وہ دبوچ کے بیٹھ رہیں گی کہ تھی چچی جان"

"توبہ توبہ! اگر وہ سُن لیں تو؟" رضیہ نے دوپٹہ منہ میں ٹھونس لیا۔

"چچی جان کا نام میں نے ٹیپ ریکارڈر رکھ چھوڑا ہے۔ ابھی آن کر دیتے ہیں اور وہ فل اسپیڈ چلنے لگتے ہیں"

"آپ اُن سے ڈر کر یہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

"دوسری بات بھی ہے" شارب چھوٹی طشتریاں برابر برابر اوندھی رکھتا ہوا بولا۔

"دوسری کیا بات ہے؟"

"تمہیں دیکھنا چاہتا تھا"

"کیا؟"

"ہاں بھئی! تم تو ہفتوں نظر ہی نہیں آتیں"

"تو آپ کو کیا؟"

"بجّو تو کبھی اس طرح نہیں کہتیں"

"وہ آپ کی بڑی بہن ہیں"

"تم چھوٹی ہو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے"

"واہ! وہ آقا ہیں، آپ مالک ہیں۔ میں تو نوکرانی ہوں"

"لاحول ولا قوۃ! لاحول ولا قوۃ!"

"کیوں آپ لاحول کیوں پڑھنے لگے۔

"شیطان کو بھگا رہا ہوں"

"یہاں کہاں ہے شیطان؟"

"تمہارے دماغ میں گھس گیا ہے۔ تبھی تو بہکی بہکی باتیں کررہی ہو"

"جھوٹ تو نہیں کہہ رہی ہوں"

"بالکل جھوٹ! سفید"

"کیسے سفید؟"

"اس لیے نہ ہم آقا اور نہ مالک — نہ تم ملازمہ —"

"ہائے اللہ! تو پھر میں کون ہوں؟"

"ہماری ایسی، ہمارے برابر۔ اب نہ بھکنا خبردار!"

رضیہ کا معصوم چہرہ گلابی ہوگیا "صرف آپ کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟"

"سب ہی سمجھتے ہیں۔ کیا تم ابّی اور بجیا پر طوفان جوڑ رہی ہو؟ توبہ کرو توبہ! ابّی تمہیں بیٹی کہتے ہیں، بجیا چھوٹی بہن کہتی ہیں۔ اور تم ان کی محبت کی قدر نہیں کرتیں؟ جی چاہتا ہے کہ مار مار کے تمہارا کچومر نکال نکال دوں"

وہ خوب ہنسی "آپ نے تو آج تک ہاتھ نہیں لگایا۔ کچومر کیسے نکالیں گے"

"مجھ سے معافی مانگو اور اقرار کرو کہ پھر کبھی خود کو ملازمہ نہیں کہو گی"

"اچھی بات ہے بابا۔ آپ تو لے کے پیچھے پڑ گئے"

"سچ مچ بڑی ناشکری ہو۔ یہ نہیں کہتیں کہ آدھا کام کروا لیا"

"خالی رکابیاں ہی تو اوندھی رکھیں آپ نے"

"بہرحال کام تو ہوا یہ بھی" شارب نے اُسے قائل کیا۔

"اچھا اب جائیے اور سب کو لے آئیے۔ کھانا آگیا ہے"

"میں تو نہیں جاتا" وہ ایک کرسی پر جم کر بیٹھتا ہوا بولا۔

رضیہ اُسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ خانساماں نے میز پر ڈشیں رکھ دیں اور ٹرالی ایک گوشے میں کھڑی کر دی۔

کھانا شروع ہوا تو رضیہ ساتھ میں نہیں بیٹھی۔ حالانکہ روز وہ سب ساتھ کھاتے تھے۔ سیّد صاحب خدا کے خوف سے لرزتے تھے اور سوچتے تھے کہ ایک یتیم بیسہارا اور معصوم لڑکی سے برابر کا سلوک نہ کرنا، نہ جانے حشر میں کس مواخذے کا سبب بن جائے۔ وہ اُسے اپنے برابر بٹھاتے تھے۔ آج اُن کے دل پر دھکا لگا۔ کیا رضیہ خود کو ملازمہ سمجھتی ہے۔ انھوں نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا۔ مگر شارب اُن سے زیادہ دلیر تھا، جھٹ بول پڑا "بیٹھ جاؤ رضیہ۔ چچا جان چچی جان سے

کیا فخر ما نا"

سید صاحب کو سہارا ملا " ہاں بیٹی! بیٹھ جاؤ "

" میں حلیمن بوا کے ساتھ کھالوں گی " وہ سر جھکا کر بولی۔

"چلو بہت بن چکیں " سحابی نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر کھینچ لیا۔

"کون لڑکی ہے ؟" چچی جان نے پوچھ ہی لیا۔

"اسے بھی میری بچی سمجھئے" ابّی نے کہا اور سر جھکا کر نوالہ بنانے لگے۔

" میاں جزاک اللہ جنت خرید رہے ہو " چچا جان نے فرمایا اور غربا پروری، بندہ نوازی کے سلسلے میں بو زنگ برنگی واقعات اور شرع و حدیث کا سلسلہ شروع کیا تو پھر کھانے کے ختم تک تقریر ختم نہیں کی ۔

رات کو رضیہ حسب معمول سحابی کے کمرے میں سونے آئی۔ کچھ گم صم سی تھی۔ سحابی اس سے خاران کی بد معاشی کی کہانی کہتی رہی۔ مگر رضیہ شارب کی باتیں یاد کر رہی تھی۔ آج سے پہلے اس نے ایسی گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ کیا سوچ رہا تھا؟ — رضیہ کی عمر ایسی نہیں تھی کہ وہ ان باتوں کو مفہوم نہ پہناتی۔

" کہاں گم ہو رضیہ بیگم !" سحابی نے اس پر تکیہ پھینک مارا۔

"آپ تو سونے بھی نہیں دیتیں " رضیہ بگڑ گئی۔

"کون سے دن تم دن نچے سوئی ہو ؟" وہ گرجی۔

" وہ سنیئے ! کیا پیارا باجہ بج رہا ہے " رضیہ نے کہا۔ سحابی اپنی بکواس بھول گئی اور ہمہ تن گوش ہو گئی۔ ہمسایے سے وائیلن کا سحر انگیز نغمہ بلند ہو رہا تھا۔ بڑی جاں گداز لے تھی۔ جیسے کوئی برہا کی ماری فریاد و فغاں میں مشغول ہو، کوئی جگر کی گہرائیوں سے آہ بھر رہا ہو۔ کسی حسین بیمار کی حسین کراہ ہو — وہ گم صم سنتی رہی۔

ناشتے کے بعد وہ باغ میں چلی گئی۔ دماغ میں انجن سے چل رہے تھے۔ بالآخر اُس کا اندیشہ سامنے آیا تھا۔ چچی جان اس کے یہاں بے مقصد نہیں آئی تھیں۔ انھوں نے اس کے سلسلے میں ابّی کو خاصہ رگیدا تھا۔ بے چارے ابّی شروع دن کے بھولے بھالے اور کم سخن تھے وہ گم صم بیٹھے انگلی سے گھٹنے پر طبلہ بجاتے رہے تھے۔

رضیہ نے اُسے پکڑ کر گھسیٹا اور پردے کے پاس لا کھڑا کیا تھا۔

چچا جان کہہ رہے تھے "میاں تمھاری قوت فیصلہ کمزور ہے۔ تمھاری باگ ڈور تو خدا بخشے بی بی عصمت کے ہاتھوں میں رہتی تھی۔ آج تک تم نے کیا ہی کیا ہے۔ نہ ایک پیسے کا سودا سُلف لائے، نہ کوئی گز بھر کپڑا خریدا، نہ کسی کی شادی بیاہ کی۔ لہٰذا تم اپنی زندگی کا یہ اہم مسئلہ ہم پر چھوڑ دو۔ ہم خدانخواستہ اپنی لڑکی کے دشمن نہیں"

"استغفراللہ! یہ آپ کیا فرماتے ہیں" ابّی نے انھیں سانس لیتے دیکھ کر لقمہ دیا تھا۔

"محسن کو تم بھی دیکھ رہے ہو۔" چچی جان بولیں "ابھی پچھلے سال ایم۔ ایس۔ سی کیا ہے، ایک میڈیکل ہال کھولا ہے، فرنیچر بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ ہے، اس کے علاوہ کوئی بُری عادت اُن میں نہیں۔ نہ سگریٹ بیڑی، نہ پان تمباکو، نہ سینما۔ صبح سے شام تک اپنے کام میں جٹے رہتے ہیں۔ اسی سال سے ایک ہائی اسکول کے مددگار بھی ہو گئے ہیں

"انھیں تو سانس لینے کی مہلت بھی نہیں ملتی..."

"صورت شکل جیسی تمھارے سامنے ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اپنا لڑکا ہے۔ ہم تو سمجھا کی بٹیا کو نین تارا بنا کر رکھیں گے۔ لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کی ہو چکیں۔ دل تڑپتا ہے لڑکی کے لیے۔ اور یہ تو میری ہی بچی ہے"

"قبلہ ہم بھی تو اُسی کی صورت دیکھ کر جیتے ہیں" ابی نے کچھ گلوگیر لہجے میں کہا۔ پھر کھانس کر گلا صاف کیا اور ہنسنے لگے "ویسے قانونِ فطرت کے مطابق اُسے خود سے جُدا تو کرنا ہی پڑے گا"

"ہاں میاں! تمہارا دل کیوں نہ دکھے گا" چچی جان بولیں "ماں بن کر اُسے پالا ہے۔ مگر تمہارے تردد کرنے کی تو کوئی بات نہیں۔ لکھنؤ کون سا کالے کوسوں دور ہے۔ پان یہاں کھاؤ، پیک وہاں تھوکو۔ جب چاہو گے چلی آئے گی"

"میں کہتا ہوں کہ بھائی تم خود کیوں نہ وہیں چل کے رہو" چچا جان نے بڑی مستعدی سے کہا۔

"بھائی صاحب! جما جمایا کاروبار ہے" ابی بولے۔

"تو پھر تم نے محسن کے لیے کیا سوچا؟" چچی جان نے پوچھا۔

"سوچا کیا۔ محسن کوئی غیر تو نہیں... مگر معلوم ہوتا ہے کہ غصے کے کچھ تیز ہیں۔ آج ہی صبح کو اُن کے غسل کا پانی کچھ ٹھنڈا رہ گیا تھا، ہمارے ملازم غفور کو انھوں نے بری طرح پھٹکارا تھا۔ ہم تو کسی نوکر سے سخت لہجے میں بات نہیں کرتے" ابی نے کہا۔

"ہماری تمہاری بات گئی صاحبزادے!" چچا جان نے حسبِ عادت قہقہہ فرمایا "آج کل کے لونڈے فرشتہ نہیں ہو سکتے۔ غصہ تو بیشک اُنھیں جلدی آجاتا ہے۔ تمھیں یاد نہیں دادا جان کا غصہ۔ نوکر تو نوکر، دادی اماں مرحومہ اور گھر والے بھی تھر تھر کانپا کرتے تھے۔ بس اُنھیں پر پڑا ہے"

"میاں کیسی بیکار باتیں کرتے ہو! نوکر کہاں، بیوی کہاں" چچی جان نے کہا "بیوی کو تھوڑی ہی پھٹکارا کریں گے ۔۔۔ تم ایک فیصلہ کر لو۔ تو سب کو یکسوئی ہو جائے"

"اب ہم زیادہ دن قیام نہیں کر سکتے۔ محسن کا بھی حرج ہو رہا ہے" چچا جان نے کہا "اور ہمیں بھی تحصیل پر جانا ہے۔ تم اگر سحابی بٹیا کے ساتھ محسن کے رشتے

پر راضی ہو تو ایک جمعہ کو باقاعدہ رسم کا اعلان کر دیا جائے۔ ورنہ پھر جیسی تمہاری مرضی۔"

"میں تو اپنی عصمت کی نشانی لے کے ہی جاؤں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ غیروں میں جائے۔" چچی جان نے کہا اور بھاری بھرکم لکھنوی پاندان اپنے سامنے گھسیٹ کر اپنی ہی جسامت کی ایک گلوری تعمیر کرنے لگیں۔

"اچھی بات ہے" ابّی نے سپر ڈال دی "میں شارب سے بھی کہہ دوں۔ اُسے معلوم کرنا ضروری ہے۔"

"بے شک بے شک!!" چچا جان نے سر ہلایا۔

"تو پھر لین دین کی بات ——" ابّی کچھ کہنے چلے تھے کہ ایک زوردار لاحول کے ساتھ چچا جان نے بات کاٹ دی۔

"کس رنگ میں رنگ گئے ہو میاں حسین! استغفراللہ!!" انھوں نے للکارا "یعنے ہم تم سے روپیہ طلب کریں گے۔ تم نے بھی ہم کو حیدرآبادی مفت خورہ سمجھا ہے۔ ہماری بچی کے لیے ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت ہے ہمیں تمہاری ایک پائی بھی نہیں چاہیئے۔"

"ہمیں لڑکی کی شادی کا کیا تجربہ ہے بھائی!" ابّی نے چچی جان سے کہا۔ کچھ تھوڑا بہت جہیز مرحومہ رکھ گئی تھیں۔ پتہ نہیں کہ وہ کافی ہے کہ اس میں ابھی اور کچھ ملانا پڑے گا۔ ہمارا مطلب یہ تھا کہ آپ بھائی صاحب کو لڑکے والا رہنے دیتیں اور آپ لڑکی والی بن کر انتظام کرتیں۔"

"چلو بھئی سستے چھوٹے" چچا جان نے قہقہے کی توپ داغی۔ "جس روز نکاح ہو، مطلع کر دینا۔ دولھا کے گلے میں صرف ایک بدھی ڈال کر لیے چلے آئیں گے۔"

"میاں! میں سر آنکھوں پر اپنی بچی کا کاج کروں گی۔ مگر تم میرا بدن دیکھ رہے ہو۔ نگوڑا بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ حال یہ ہے کہ ایک دوپہر کو کھانا کھاتی ہوں تو

پھر دوسرے کھانے کی نوبت دوسری دوپہر کو آتی ہے۔ مگر پتہ نہیں کہ کیا بیماری ہے کہ بدن پھول رہا ہے۔ دو قدم چلتی ہوں تو دس مرتبہ ہانپتی ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں تو جی جان سے شادی کا انتظام کر دوں گی مگر تم کہو تو کانپور سے نزہت کو بلا بھیجوں وہ بجلی ہے بجلی۔ ایک مہینے کا کام ایک ہفتے میں نمٹا دے گی۔"

"وہ تو ماشاء اللہ اپنی سسرال میں ہو گی" امی نے کہا۔ اور ہاتھ بڑھا کر پان کی گلوری لے لی۔

"بہت دنوں سے آنے کو لکھ رہی تھی۔ ہم یہاں چلے آئے" چچی جان نے کہا۔ "تم ایک تاریخ طے کر دو تو ہم اسے لکھ بھیجیں۔ مہینے بھر کے لیے چلی آئے گی۔ سسرال والے اُسے آنکھ کا تارہ بنا کر رکھتے ہیں۔ اللہ رکھے پانچ لڑکوں کی ماں ہے نا۔ اس لیے"

"پانچ لڑکے ہو گئے نزہت کے! واللہ کمال ہے۔ ارے وہ تو شاید ابھی پچیس برس کی بھی نہیں ہے" امی نے حیران ہو کر کہا۔

"اُس کی شادی بھی تو جلدی ہوئی" چچا جان نے کہا "شاید تیرہ برس کی ہو گی۔ جب بھائی مطلوب الرحمان ہندی گڑھ سے تبادلہ ہو کر لکھنؤ آئے۔ ہمارے یہاں قیام کیا تھا ان دنوں ان کا چھوٹا لڑکا حماد الرحمان کوئی سترہ اٹھارہ سال کا ہو گا۔ اس کے لیے انھیں ہماری نزہت ایسی پسند آئی کہ انھوں نے ہمیں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ دوسری طرف سے انتظام کر کے شادی کی اور جب کانپور گئے تو نزہت کو ساتھ لے گئے"

"کیا خوب۔ آپ نے گڑیا گڈے کی شادی رچائی" امی ہنسے مگر اوپری دل سے۔

بہرحال ان میں سحابی کی شادی کا مسئلہ طے ہو گیا۔

سحابی دل گرفتہ اور بے حد رنجیدہ سی باغ میں آئی۔ رضیہ بھی اداس تھی۔

"آپ کو محسن بھیا پسند ہیں بی بی؟"

"مجھے کوئی بھی پسند نہیں۔ مگر ابّی کے سینے پر رکھا ہوا بوجھ تو آخر ایک روز ہٹے گا۔" پھر وہ سوچوں میں کھو گئی۔ اُسے خبر بھی نہیں لگی کہ رضیہ کب اوپر گئی۔

سحابی محسن کے ناک نقشے کو دل ہی دل میں دہرانے لگی۔ کچھ ایسے بُرے نہیں رنگت البتہ سانولی سی ہے۔ اس میں وہ نکھار اور صفائی بھی نہیں۔ جابجا ادھر ادھر واضح تل ہیں، نہایت گنجان مونچھیں ہیں۔ لیکن مزاج کے وہ بہت اچھے ثابت ہوئے ابّی کا تو خیر حد سے بے حد احترام کرتے تھے۔ خود اس کی ایسی تعظیم کرتے جیسے وہ بھی ان کی بزرگ ہو۔ انھیں یہاں رہتے ہوئے اتنے دن ہوئے تھے مگر کوئی بات اور کوئی حرکت انھوں نے ایسی نہیں کی جو قابلِ گرفت یا قابلِ اعتراض ہوتی۔ پڑھنے لکھنے کے شوقین تھے۔ سحابی تو مطالعہ ہی حضرات پر فدا ہوتی تھی۔ اس کے نزدیک اعلیٰ ترین شرافت کی معراج یہی تھی کہ آدمی پڑھنے لکھنے پر مرمٹتا ہو۔ وہ اس سے بھی کتابیں مانگ لے گئے تھے۔ سحابی نے اندازہ لگایا تھا کہ ان کا ٹیسٹ عمدہ اور اعلیٰ تھا۔

بس ایک خرابی ان میں تھی کہ بے ٹھاٹ سگریٹ پیتے تھے۔ ہر وقت بل کی چمنی بنے رہتے لیکن تنہائی میں۔ کبھی بزرگوں کے سامنے منہ سے دھواں نہیں اُڑایا تھا۔

چلو خیر غنیمت ہے" سحابی نے ٹوٹی پھوٹی ایک سانس بھر کر سوچا۔

یکبارگی رات کی رانی کے جھنڈ کے پاس اُسے کوئی دکھائی دیا۔ پھر جب سگریٹ کا دھواں نظر آیا تو اُس نے برا سا منہ بنا کر سوچا۔ انگریزی کہاوت انھوں نے پوری کردی۔ ادھر خیال آیا ادھر دکھائی دیے۔ نہ جانے کیا بات تھی اس نے بڑا مجبوری انھیں گوارا تو کرلیا تھا مگر بیزار اب بھی تھی۔

محسن کے چہرے پر بکھرے ہوئے متعدد کالے بھودے تل اسے بالکل پسند نہیں تھے۔ چہرے کی ساری وجاہت ستیاناس کر کے رکھ دیتے تھے۔

اُس نے جھک کر جھانکا۔

ان کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی ایک ہاتھ میں سگریٹ۔ ہار سنگھار کے پیڑ سے پیٹھ ٹیکے نہایت انہماک سے مطالعہ فرمار ہے تھے۔

وہ اٹھ کر چلی اور محسن کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس قدر پھرتی سے وہ سیدھے ہوئے کہ سینے پر رکھا ہوا سگریٹ کیس اور لائٹر لڑھک کر دور جا پڑے۔

"تشریف لائیے!" وہ بے حد اخلاق سے بولے "موسم نہایت اچھا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ ایسے موسم میں لائبریری میں گھس کر کتب بینی زیادہ دلکش چیز ہے یا خوشبودار پھولوں کے کنج کے درمیان یہ شغلہ دلچسپ ہو سکتا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟"

"مجھے آپ کی طرح خشک سنجیدہ تنقیدی کتب پسند نہیں"

"شعر شاعری آپ کو اچھی لگتی ہے؟" وہ مسکرائے۔

"جی نہیں... مجھے زیادہ تر جاسوسی لٹریچر اچھا معلوم ہوتا ہے۔ وہ جو سسپنس، تھرل اور ایکٹیوٹی ہوتی ہے نا وہ بہت زیادہ ایکشن سے بھرپور ہوتی ہے۔ ایڈونچرس لٹریچر بھی مجھے پسند ہے"

"آپ نے بہت سی کتابیں پڑھی ہوں گی؟ بیٹھ جائیے نا"

"جی نہیں، آپ کی اسٹڈی میں خلل ہوگا"

"اسٹڈی؟" کیا خوب یہ تو میں کسی طرح ٹائم کِل TIME KILL کر رہا تھا۔ وقت گزاری کا کوئی بہانہ ہی ہاتھ نہیں آتا۔ شاداب صاحب کالج چل دیتے ہیں۔ میرے لیے ان کا انتظار قیامت بن جاتا ہے"

وہ اینٹوں کے ڈھیر پر ٹک گئی۔

"آپ کبھی لکھنؤ نہیں آئیں؟"

"کوئی خاص بات ہے لکھنؤ میں ؟"

"اب چلئے گا تو دیکھئے گا ۔"

اُسے غصہ آ گیا ۔ تو یہ مطلب ہے اس وقت کی گفتگو کا ۔ اس نے سوچا اب اینڈے بینڈے جواب دے گی ۔

"ہر جگہ وہی آسمان وہی زمین ہے ۔ جس کے حصّے بخرے کر کے لوگوں نے اوٹ پٹانگ نام رکھ چھوڑے ہیں ۔ مجھے تو کسی خاص شہر میں کوئی خاص دلکشی اور خوبی نہیں نظر آئی ۔"

"اپنا وطن تو پسند ہو گا ؟"

"ارے بھئی ! جہاں پیدا ہوتے وہی وطن کہلاتا ۔ مجھے کچھ بھی پسند نہیں ۔"

"فلموں سے آپ کو کچھ دلچسپی ہے ؟"

"اسٹنٹ فلم بہت دلچسپ لگتے ہیں مجھے ۔ جیسے کنگ کانگ اور دارا سنگھ کی فائٹنگ ۔" وہ بولی اور دل میں خوب ہنسی ۔

"اسٹنٹ فلم ؟" وہ بھونچکا ہو کر بولے " آپ کا ٹیسٹ بالکل مردانہ ہے ۔ جاسوسی لٹریچر اور اسٹنٹ پکچر ۔"

"وہ مار دھاڑ ہوتی ہے نا اس میں ۔ اِس نے اُس کو پٹخ دیا ، اُس نے اِسے گرا دیا ۔ وہ نہایت سنسنی خیز ہوتا ہے ۔ جانوروں پر بنے ہوئے فلموں کا کیا کہنا ! آپ نے وہ فلم دیکھا ہے ہاتھی میرے ساتھی اور گائے اور گوری ؟"

"نہیں جناب میں تو سرے سے فلمیں ہی نہیں دیکھتا ۔"

"سچّی ؟"

"جی ہاں !"

"تبھی تو آپ ایسے فلموں کی قدر نہیں کر سکتے ۔"

"میں نے سنا تھا کہ آپ نے سروس کے لیے اپلائی کیا تھا اس کا کیا ہوا؟"

"تنخواہ بہت زیادہ تھی۔ اس لیے میں نے انکار کر دیا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"جی ہاں، میں نے سوچا کہ کیوں میں کسی کی حق تلفی کروں۔ مجھے تو اللہ کا دیا سب میسر ہے۔ میری جگہ کوئی اور آ جائے گا اور مجھے عمر بھر دعائیں دے گا۔ دعائیں آخرت میں بڑے کام آتی ہیں۔ کیا میں نے اچھا کام نہیں کیا؟"

"جی نہیں، جی ہاں۔ واقعی آپ نے بڑی نیکی اور دریا دلی کا ثبوت دیا۔"

"شکریہ!" وہ احمقانہ انداز میں بولی۔

"یہ تو کچھ کریک معلوم ہوتی ہے۔" محسن نے جز بز ہو کر سوچا۔

دفعتہً نہر کے پار اسے بچوں کی معصوم قلقاریاں سنائی دیں۔ اس نے رخ پھیر کر دیکھا۔ مس جیکب تینوں بچوں کو باغ میں لے آئی تھی۔ چھوٹی بچی اس کی گود میں تھی اور دونوں بچے ایک خوش رنگ تتلی کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

محسن اسے تکتے ہی رہ گئے اور وہ انھیں یک لخت فراموش کر کے نہر کا تختہ عبور کر گئی۔

"ہیلو مس جیکب۔"

"اوہ۔ ہلو۔ ہیلو مس جیمی۔" مس جیکب نے کہا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہائیں! آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"مسٹر فاران نے اپنے پڑوسیوں کا تذکرہ کیا تھا۔"

دونوں گھانس پر بیٹھ گئیں۔

"یہ بچے انھیں کے ہیں؟" بے ساختہ سحابی کے منہ سے نکل گیا۔

"جی ہاں، بہت پیارے ہیں نا۔ بے حد عجیب بچے ہیں۔ رونا دھونا تو جانتے ہی نہیں۔ نہ کسی کو ستاتے ہیں... مجھے تو ان پر بہت زیادہ ترس آتا ہے..."

"کیا بات ہے؟"

"مس حسین! ان کی ماں نہیں ہے۔ بے بی کی پیدائش میں ختم ہو گئی"

"ہائے اللہ۔ نہیں..." اس نے بے چین ہو کر کہا اور بے بی کو گود میں لے کر پیار کرنے لگی۔

"ہاں! تب ہی تو مسٹر فاران انہیں اس قدر چاہتے ہیں۔ ان کی رتی بھر تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کو اپنے ہاتھ سے نہلاتے دھلاتے اور لباس پہناتے ہیں۔ رنگ برنگی انواع اقسام کے کھلونوں کے ان کے لیے انبار لگا دیے ہیں۔ لباسوں کی تعداد نہ پوچھیے۔ بڑے صاحب اور بیگم کا بھی یہی حال ہے۔ ان کا بس نہیں کہ وہ ان پر قربان ہو جائیں"

"یہ بیچارے جانتے نہیں کہ ماں کی ممتا کیا چیز ہے؟" سحابی کے سینے میں کوئی چیز اینٹھنے لگی۔

"وہ تو امریکہ ہی میں مر گئی تھیں۔ مسٹر فاران بچوں سمیت اپنے والدین کے پاس چلے آئے تھے۔ ان کے لیے کسی اچھی لڑکی کی تلاش ہو رہی ہے۔ تقریباً ہر ہفتہ بیگم لڑکی دیکھنے جاتی ہیں۔ بے شمار تعداد میں بہت حسین اور دولت مند لڑکیوں کی ان کے پاس ہیں۔ مگر مسٹر فاران ابھی راضی نہیں ہوتے"

"کیا وہ کسی خاص لڑکی کے خواہش مند ہیں؟" سحابی نے یونہی پوچھ لیا تھا مگر اس کے کان جل اٹھے۔

"ہاں! مس حسین! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سوتیلی ماں بچوں کا کیا حشر کرتی ہے؟ اسی لیے بہت سخت چھان بین ہو رہی ہے"

"خدا کرے کہ ان کو ایک پیاری محبت کرنے والی ماں مل جائے!"
سحابی نے بڑے خلوص سے دعا دی۔

"آمین!" دفعتہً ایک جانی پہچانی مردانہ آواز اس کے پاس گونجی۔
وہ چونک کر مڑی۔ مس جیکب بھی نادم سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

فاران پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے، نچلا لب دانتوں میں دابے سحابی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ بچی اس کی گود میں تھی۔ اور اُسے اپنی پوزیشن پر سخت شرم بھی آ رہی تھی۔ مگر اس نے خود کو ڈھیٹ پوز کر لیا اور جان بوجھ کر بے بی کے گھنگھریالے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اُسے ان کی گستاخ مسکراہٹ زہر لگی۔ آج تو وہ محسن کی باتوں پر پہلے ہی بھری بیٹھی تھی، اس پر مستزاد اپنی مامتا بھری پوزیشن۔ اگر وہ ضبط نہ کرتی تو آنسو نکلنے میں دیر نہ تھی۔

"یو مے گو ناؤ مس جیکب!" اچانک فاران نے گورنس سے کہا۔

"ویری ویل سر!" اُس نے احتراماً سر جھکا دیا اور مڑ کر چل دی۔ سحابی کو خیال ہوا کہ اُسے نروس دیکھ کر وہ بے حد بے باک اور دلیر ہو جائیں گے۔ وہ بے پروائی کا اظہار کرنے لگی۔ فاران گیندے کے پھولوں کے پاس کھڑے اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے اور بڑی شان سے سگریٹ پی رہے تھے۔ اُسے جلا کر وہ بے حد مسرور ہو رہے تھے۔

"آج آپ کی نظر عنایت ادھر کیسے ہو گئی" انھوں نے پوچھا "کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہ ہمارا ایریا ہے؟"

اُن کی اس بدتہذیبی پر سحابی کا دل چاہا کہ خودکشی کر لے۔

"آگ لگے آپ کے ایریے میں" وہ جل بھن کر خاک ہو گئی۔ "کچھ کم نہیں

پڑتی تھی۔ اُن سے ترکی بہ ترکی چوٹ چلتی۔ مصیبت تو یہ تھی کہ وہ بچی کو گود سے نیچے بھی کر جا بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کی نرم دگرم گود کا آرام پا کر بچی سو گئی تھی۔ اُس نے خود پر چھپن مرتبہ لعنت بھیجی۔ اس احساس نے اسے سخت برہم کر دیا کہ وہ ایک بدتمیز شخص کی بچی کو گود میں سُلائے تھی۔ کیا معلوم تھا کہ یکبارگی جن کی طرح آ دھمکے گا۔

بچے اُن کے چمٹ گئے۔ وہ انگریزی میں ان سے پوچھ رہے تھے "یہ ہماری کون ہیں ڈیڈی؟"

انھوں نے بچے کے گال تھپک کر نہایت شرارت سے جواب دیا "ہمیں خود پتہ نہیں۔ شاید تمھاری گورنس کی سہیلی ہیں"

"آپ خود گورنس کے باپ ــ" غصے کی زیادتی کی بنا پر اس کی زبان بند ہو گئی۔ بھلا تین بچوں کا باپ اور ایسا اچھال چھکا ــ اس نے آج تک ایسا باپ نہیں دیکھا تھا۔

"نہیں ڈیڈ ــ" بچہ مچل کر بولا "یہ ان کی سہیلی نہیں ہیں۔ یہ تو بہت اچھی ہیں اس دن ہمیں انھوں نے بہت سارے کیڈبریز بھی دیے تھے۔ مس جیکب تو آج تک ہمارے لیے کچھ نہیں لائیں۔ بولیے ڈیڈی! یہ اتنی پیاری پیاری اپنی کون ہیں؟"

دفورِ تبسم سے فاران کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔

"زہے نصیب! مجھ ناچیز خاکسار کے بچوں کو آپ نے قابلِ اعتنا سمجھا۔ عقل چکر میں ہے۔ آپ کے مبارک قدم اور میرا غریب خانہ ــ!"

"اپنی بچی کو سنبھالیے۔ میں جا رہی ہوں۔ آپ نے مس جیکب کو کیوں بھگا دیا"

"سنئے! آپ سے ایک کام ہے"

"کیا کام ہے؟"

"ایک چھوٹی سی درخواست لکھوانا چاہتا ہوں"

"آپ خود نہیں لکھ سکتے؟"

"مجبور ہوگیا ہوں۔ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے میں درد ہے۔ یہ دیکھئے!"
اس نے ہاتھ اس کے سامنے کیا۔ تب سحابی نے دیکھا کہ بڑی سی ننھی سی پٹی انگوٹھے پر بندھی ہے۔

"میں گھر جاؤں گی۔ دیر ہوئی یہاں آئے — ابی اتنی دیر تک میرا باہر رہنا پسند نہیں کرتے۔"

"در دولت پر حاضر ہو جاؤں؟" انھوں نے نہایت شرافت سے پوچھا

"آپ بچی کو تو لیجئے!" وہ جھلاگئی۔

"اندر جا کے سلا آئیے! آپ سے ممی اور ڈیڈی بھی ملنا چاہتے تھے۔"

"کتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں چھوٹے بچے کی طرح ممی ڈیڈی کہتے ہوئے —"
وہ جل کر بولی۔

فاران کو ہنسی آگئی۔ انھوں نے جھک کر بچی کو گود میں لے لیا اور بولے۔

"آیئے —"

"نہیں آتی۔"

"کیا بغیر لڑے ہوئے آپ بات نہیں کرسکتیں؟"

"آپ کون سے شریف آدمی ہیں؟" وہ لباس درست کر کے انھیں قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بولی "مجھے عمر بھر یاد رہے گا۔ آپ دھوکا دے کر مجھے نگار کی شادی سے کھینچ لے گئے تھے۔ اگر ابی کو معلوم ہو جاتا تو وہ آپ کی کھال کھینچ لیتے۔"

"سچ مچ؟" انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

"اور پھر کیا؟" اس نے گردن اکڑائی اور جانے کے لیے مڑ گئی۔

"میں ابھی آیا" وہ یہ کہہ کر چکر دار زینے پر چڑھتے چلے گئے۔

"آؤ نہ آؤ میری بلا سے۔ گھر میں سب جاہل ہیں۔ کوئی درخواست تک نہیں لکھ سکتا۔ اس نے حقارت سے سوچا اور پھر پھلانگ کر اپنے باغ میں مورہی رات کی رانی کا جھنڈ ویران تھا۔ محسن اٹھ کر جا چکے تھے۔

اس نے گھر پہنچ کر غسل کیا اور فان کلر کی خوشنما ساڑی سیاہ چست بلاؤز پہنا اور لمبے لمبے سیاہ بالوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ اُسے بجی جان کے سامنے نکلتے حجاب ہو رہا تھا۔ وہ تو سامنے تختوں ہی پر دراز رہتی تھیں۔ وہ کچن میں گھس کر رضیہ کا ہاتھ بٹانے لگی۔

پندرہ منٹ بعد شارب شور مچاتا ہوا کچن میں گھسا۔

"بجو! فاران بھائی آئے ہیں... تم سے کچھ کام ہے۔ ملنا چاہتے ہیں۔"

"فاران تمھارے بھائی کب سے ہو گئے" اس نے اس پر دیدے نکالے

"تو پھر انھیں کیا کہوں۔ چچا خالو یا ماموں تو وہ ہو نہیں سکتے" شارب نے بھی تیز ہو کر کہا۔

"ابی کہاں ہیں؟"

"عمر چچا کے یہاں۔ اُن کی طبیعت خراب ہے"

"مگر میں کیوں ملوں فاران صاحب سے؟"

"بے چارے گزارش کر رہے تھے کہ ایک درخواست لکھوا دیجیے۔ ان کا کام کر دو باجی! انھوں نے ابی کا کام بھی کیا ہے"

"میں ان کے سامنے نہیں نکل سکتی۔ پردہ کرتی ہوں"

"بجو! تم اتنی بدعقل کیوں ہو گئی ہو۔ ارے میں مسودہ لیے آتا ہوں۔ تم ڈھنگ سے لکھ دو۔ یہ کہہ کر شارب چلا گیا اور دو ہی منٹ بعد ایک چار انگل

کا پرچہ لیے آموجود ہوا۔

"لکھ کر رکھو بجیا! میں ابھی آ کر لے جاتا ہوں۔ ذرا انھیں چائے وائے پلادوں۔"

سحابی نے درخواست دیکھی:

"عزیز از جان وایمان دوست!

تمھارا خط ملا۔ جو کچھ کہنا ہے بالمشافہ کہوں گا۔ اور یقین رکھو! کہ تمھارے کان ضرور کھینچوں گا۔ تم نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ اچھا یہ تم نے شاید نوکری نہ ملنے کا بدلہ لیا ہے۔ ابے ایسی ایسی دس نوکریاں تجھے دلوا سکتا ہوں۔ مایوس مت ہو۔ بس یہی کہنا ہے۔ آج نو بجے رات کو کوالٹی میں ضرور ملنا۔ بائے۔!

سحابی کا منہ بن گیا۔

بجلی گرے ایسی درخواست پر۔ بدمعاش کا دوست بھی بدمعاش۔ پتہ نہیں کس کو خط لکھوا رہا ہے۔ بہر حال اس نے بے دلی سے صاف کاغذ پر یہی تحریر بنا چنا کر لکھ دی۔ اور غفور کو دونوں کاغذ حوالے کیے کہ باہر دے آئے۔

پھر وہ اپنے خرگوش کے بچے کو گود میں لے کر بیٹھ گئی اور اس کے دُلار کرنے لگی۔ دفعتہً اُسے فاران کی بچی کا خیال آ گیا۔ کیسی نرم نرم تھی جیسے ریشمی روئی کا ڈھیر۔ بے چاری کو ماں کی مامتا نصیب نہیں۔ اگر وہ بچی اسے مل جائے تب؛ وہ چونک پڑی۔ بھلا اپنی بچی کوئی اسے کیوں دینے لگا۔ لیکن کتنا برا معلوم ہوتا ہے بے چاری بڑی ہوتی جائے گی تو اُسے اپنے نقصان عظیم کا احساس ہوگا۔ اب تو باپ کی محبت اسے حاصل ہے۔

مگر یہ کیسا باپ ہے؛ ستیاناس۔ اپنے بچوں کی ماں کو ختم کر کے ہنستا مسکراتا ہے

رتی بھر جو غم ہو۔ شرارتیں بدمعاشیاں کرنے میں نمبر ایک۔ اُسے تو اس کی شکل سے بھی چڑھ تھی۔ بلا سے اگر خوبصورت ہوں تو اپنے لیے۔ دوسروں کو ان کا حسن کیا دے رہا ہے! اس کے بعد اس سے ملنے نکہت آگئی اور خوب جھگڑا کرنے لگی۔ اُسے توقع تھی کہ انٹرویو کی کامیابی کے بعد اس کا تقرر لازمی تھا۔

"میں کیا کرتی؛ تم دیکھ ہی رہی ہو کہ چچا جان آگئے ہیں۔ وہ پُرانے خیال کے آدمی ہیں۔ اُن کے سامنے سروس کا نام لینا قیامت جگانا ہے۔ وہ امروز و فردا میں چلے جائیں گے۔ تب ضرور آؤں گی۔"

"خیر، تم سے فاران صاحب نے کیا کیا پوچھا تھا؟" نکہت نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہی کچھ پوچھتے رہے تھے کہ میں نے کہاں سے ایم۔ اے کیا ہے۔ کون سا کامبینیشن لیا تھا؛ پڑھا سکتی ہوں کہ نہیں۔" دل ہی دل میں فاران کو گالیاں دے کر سحابی نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"انھیں دیکھتے ہی تمھارے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ کیا بات ہے؟"

"خوامخواہ۔؟"

سہ پہر تک بکواس کر کے نکہت سدھاری۔ تب وہ سید صاحب کی خیر خبر لینے باہر پہنچی۔ چچا جان کی وجہ سے اُن سے بات کرنے کی نوبت ہی کم بہت آتی تھی۔

کمرے میں شارب بھی تھا۔ اس نے سید صاحب کی بہت تھکی تھکی آواز سُنی۔ شاید وہ شارب سے کہہ رہے تھے "بیٹے! پھر تم ہی بتاؤ کہ آخر کیا کیا جائے۔ تین مرتبہ رشتہ لگ کر ٹوٹ چکا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ سحابی کہیں اس چیز کو محسوس نہ کرے۔ یہ بات اس کے لیے توہین آمیز ہوگی۔ کیوں کیا تم محض کو پسند نہیں کرتے؟"

"صورت شکل کوئی ایسا اہم نہیں ابی۔" شارب بہت سنجیدہ لب ولہجہ میں کہہ

رہا تھا کہ ہم نے محسن صاحب کی سیرت کہاں دیکھی ہے؟"

کیوں احسان میاں! آپ کا کیا خیال ہے؟" سید صاحب نے کہا۔ سجانی چونک پڑی۔ تو یہ حضرت ابھی چپکے ہوئے ہیں۔ مگر ابی کو بھی کیا ہوا ہے؟ ہر ایرے غیرے کو اپنا ہم خیال بنا لیتے ہیں۔ جواب میں اس نے فاران کی بھاری گونجدار آواز سنی۔

" قبلہ! وہ آپ کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ آپ نے شروع سے ان کی سیرت کا مطالعہ کیا ہوگا۔ میں اور شارب اس سلسلے میں کچھ عرض نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آپ مجھے اگر اپنا سمجھیں تو میں گذارش کروں گا کہ فی الحال صرف منگنی پر بات ختم کر دیجئے اور انھیں ٹال دیجئے کہ فی الحال آپ کو شادی کی تیاری کرنی ہے۔ اس عرصے میں آپ وقتاً فوقتاً ان کے عادات و اطوار کا مشاہدہ کر سکیں گے "

"جزاک اللہ! ماشاءاللہ!! بہت خوب!!!" سید صاحب بے ساختہ بول اٹھے " ہم بھی یہی سوچ رہے تھے کہ کم از کم چھ ماہ کے لیے اُسے ٹالا جائے۔ میاں دراصل طبیعت ادھر نہیں آتی۔ یہ تو بھائی صاحب کی زبردستی، بھابی کا اصرار اور ہماری مجبوری کی بات تھی "

" واہ ابی! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ کیا سب کے اصرار و مرضی سے آپ بجیا کے گلے پر چھری پھیر دیں گے؟" شارب بولا۔

" نہیں شارب میاں! اس لہجے میں گفتگو نہ کرو " فاران نے اُسے تنبیہ کی " وہ باپ ہیں۔ تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ لڑکی کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے "

" سید صاحب نے بے حد سرد آہ بھری " جیسا کہ تم نے بھی دیکھا ہے احسان میاں! وہ جگر تو تمہارے سامنے بات لگ کر چھوٹی۔ اس لیے ہم اس نسبت کو غنیمت سمجھ رہے تھے۔ کہ کچھ بھی ہو اپنے لوگ ہیں "

" ابی! بار بار ان منحوس نسبتوں کا تذکرہ نہ کیجئے " شارب نے پھر غصے سے

کہا۔" وہ لوگ ٹھگ ہوتے تھے۔ اور وہ ڈاکٹر کا بچہ تو بجیا کی تصویر بھی چرا لے گیا۔ بجیا کو معلوم ہوگا تو وہ اودھم مچادیں گی۔"

" بیٹے! وہ قصہ تو ختم ہوگیا۔ ہم احسان میاں کے سخت احسان مند ہیں کہ انھوں نے چور صاحب سے تصویر وصول کی، ہم نے چپکے سے البم میں لگادی۔ سحابی کو معلوم نہ ہوسکا۔" وہ بولے۔

" سچ مچ فاران بھائی؟" شاداب خوش ہوگیا۔

" ہاں، بھائی!" فاران نے کہا " میں نے اُلّو کے پٹھے کی خوب خبر لی۔ ذرا کچھ بیٹا چوں چاں کرتے تو گریبان پکڑ لیتا۔ مگر اب بار بار اس معمولی بات کا تذکرہ کرنا کیا ہے جناب۔"

" واہ بھائی صاحب! آپ تو چھپے رستم نکلے۔" شاداب اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ہنسنے لگا۔ سحابی کا یہ حال تھا کہ سر سے پاؤں تک آگ ہو رہی تھی۔ کیا جھوٹا مکار آدمی ہے۔ اس کے داؤں پیچ سے بچنا چاہیئے۔ تصویر تو اس بدذات نے خود چرائی تھی۔ کس مزے سے اپنے آپ کو اُلّو کا پٹھا کر رہا ہے۔

پھر یکبارگی جھن سے سحابی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ تصویر اس آدمی کے قبضے میں ہے۔ اس کی خبر نہ بھولے بھالے ابی کو ہے نہ بے چارے شاداب کو۔ اگر اس نے اُس کی تصویر سے ناجائز فائدہ اٹھایا تو پھر کیا ہوگا؟ — اُس کے مساموں نے بے تحاشہ پسینہ اُگل دیا۔ خدایا رحم کرنا!

" تو ابی! پھر آپ نے کیا سوچا؟ کہہ دیجئے! فاران بھائی شاید پھر کوئی مفید مشورہ دے سکیں۔ میری عقل تو ایسے معاملوں میں کام نہیں کرتی۔" شاداب نے پھر کہا۔ جواب میں سید صاحب نے اضمحلال اور تفکّر سے پُر لہجہ میں کہا۔ بس وہی رائے معقول ہے۔ فی الحال معمولی سی رسم کرلیں۔ اس کے بعد محسن صاحب کے کردار و عادات

کی چھان بین کی جائے اور قطعی جواب دیا جائے۔"

"قبلۂ محترم! رسم میں بھی اتنی لچک اور گنجائش رکھئے گا کہ اگر آپ اس کو چاہیں تو توڑ دیں۔" فاران نے کہا۔ "کوئی ایسا سخت بندھن نہ باندھیے کہ خدانخواستہ پھر آپ مجبور ہو جائیں۔ انشاء اللہ میں خود لکھنؤ جاؤں گا اور پوشیدہ طور پر محسن صاحب کے کردار کی چھان بین کروں گا۔"

"بس بس ٹھیک ہے۔" شارب معاملہ طے کر کے اٹھ گیا۔ "فاران بھائی کا مشورہ معقول ترین ہے۔"

"بیٹے! ہم تمہارے بہت ممنون ہیں۔" سید صاحب نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سخت ممنونیت سے کہا۔ "نہیں کہہ سکتے کہ تم ہمارے حق میں کیسے فرشتۂ رحمت ثابت ہو رہے ہو۔ بخدا ہمت کھڑی کر دی تم نے۔ ہمارے روئیں روئیں سے تمہارے لیے دعا نکلتی ہے۔"

"جناب محترم! بس میرے لیے آپ کی دعائیں ہی کافی ہیں۔" وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں نے ایک بھاری بزنس شروع کر رکھا ہے۔ دعا فرمائیے! کہ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائے۔"

"انشاء اللہ! ضرور ضرور ۔۔۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب و سرخرو فرمائے گا۔" سید صاحب نے خلوصِ دل سے دعا دی۔

"اجازت دیجئے! پھر حاضر ہوں گا۔" انھوں نے عاجزی سے سلام کیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ سید صاحب انھیں دروازے تک چھوڑنے آئے۔

سحابی دم بخود کھڑی ہی رہی۔ یا اللہ! اس کی ذات سے کتنے مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے گڑگڑا کر اللہ میاں سے دعا مانگی۔ وہ اُسے پریشانیوں سے محفوظ رکھیں

ایک اداس سرمئی شام جاڑوں کے اوّلین کُہرے میں لپٹی آہستہ آہستہ کائنات پر محیط ہو رہی تھی۔ اندر دالان میں تیز بلب اپنی سفید چمکدار روشنی پھینک رہا تھا۔ چچا جان اور امّی دوپہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ چچی جان بیٹھی اپنی نئی ساری میں فیتہ ٹانک رہی تھیں۔

سب کچھ جوں کا توں تھا۔ پر آہ! سحابی کی تقدیر میں چین نہیں تھا۔ بے حد پریشان دہشت زدہ سی وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں وہی خط تھے جو اُس نے فاران کو لکھے تھے۔ اُنھوں نے بذریعۂ ڈاک بھجوا دیے تھے اور دھمکی دی تھی:

"بے وقوف لڑکی! ذرا غور تو کرو کہ تم نے فرضی شخصیت کی طرف سے میری بیوی کو خط لکھ مارا ہے۔ جبکہ وہ بے چاری کہیں ہے ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو میں تمھاری گت بنا ڈالتا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خط مجھ ہی کو ملا۔ کیا تم نے اپنی عقل صندوق میں بند کر رکھی ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ میں نے ایک لڑکی کو شادی کی محفل سے کھینچ کر اسے پریشان کیا تھا۔ احمق! پھر اس کے بعد لکھتی ہو کہ اگر اس کے والد یا بھائی کو پتہ چل جاتا تو کیا ہوتا؟ مجھے بتاؤ کہ اس واقعہ کا چشم دید گواہ کون تھا؟ پھر تم نے باپ اور بھائی کا حوالہ دیا ہے۔ ماں کا حوالہ نہیں دیا پھر لکھتی ہو کہ "میرا کیا حشر ہوتا" یہ پڑھ کر میں نے خوب قہقہے لگائے تھے۔ میں سمجھ گیا تھا یہ کارنامہ تمھارا ہے۔ لہٰذا اپنے انگوٹھے کے درد کا بہانہ کر کے تم سے تحریر لکھوائی تھی تاکہ دونوں تحریروں کا موازنہ کر سکوں۔ میرا خیال صحیح نکلا۔ سحابی حسین احمد اور محترم عبدالرشید ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں

آپ نے مجھے بڑی فراغدلی سے بدکردار، بدنظر، بدمعاش بنایا ہے۔ اس کا بدلہ
میں لوں گا۔ جلد یا بدیر ضرور۔ یاد رکھنا۔ لطف یہ کہ تم میری معدوم الحقیقت
بیوی کو نصیحت کر رہی ہو کہ گھر پر مجھے باندھ کر رکھے۔ پاگل! کیا مجھے بھی کوئی
پردہ نشین بے زبان لڑکی سمجھا ہے؟ مجھے بہت سخت غصہ آ رہا ہے۔ میں بہت
جلد تم سے بدلہ لوں گا۔ انتقام!! اور تم سر پر ہاتھ رکھ کر روؤگی۔
دیکھ لینا۔ باقی پھر۔ تمہارا بدنظر۔ فاران۔

سحابی کے تن بدن میں لرزہ پڑا تھا۔ واقعی اس نے سخت حماقت کی تھی۔ اسے کیا پڑی تھی
کہ وہ اس سلسلے میں اتنی سنجیدہ ہو گئی۔ بلا سے۔ اسے جہنم میں جھونک دیتی۔ اب کیا ہوگا؟ وہ
اس قدر پریشان تھی کہ اس سے دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ ہر نوالہ گولہ بن کر واپس
حلق میں آ جاتا تھا۔

وہ کمرے میں واپس آئی اور کرسی پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ اے پروردگار
وہ تو کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی۔ امی اور شارب کیا سوچیں گے؟ امی کے اعتماد کو شکست
دینا اسے گوارا نہ تھا، نہ یہ منظور تھا کہ بھلے ہی امی کو موت آ جائے۔

پھر وہ فاران کو نہایت جگر پاش کوسنے اور پتھر کو پگھلا دینے والی بددعائیں
دینے لگی۔

اللہ کرے اس پر چھت سے سانپ گرے اور اسے جگہ جگہ سے ڈس لے۔ کوئی
شیر زو سے چھوٹ جائے اور اس کو چبا ڈالے۔ اللہ کرے مر جائے اور کسی کو خبر نہ
لگے۔ پھر جب لاش سے بدبو پھوٹے تو سڑا ہوا جنازہ اٹھے۔ ہائے کیوں میرے پیچھے
پڑا ہے۔ میں نے کیا بگاڑا ہے بدنہاد کا۔ اب میں کیا کروں۔

وہ سوکھی سوکھی آہیں بھرنے لگی ... ہزار عقل لڑائی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا
کرنا چاہیئے۔ اپنی حماقت پر سر پیٹا کہ کیوں اسے اپنی یکساں تحریر دے دی تھی۔

پر اُسے اس کی چالاکی کا پتہ ہی کہاں تھا۔

وہ بیٹھی بیٹھی روتی رہی ۔ دوپہر سے سہ پہر اور پھر مغرب سے شام ہو گئی۔
باہر کی دنیا میں حسن بکھرا تھا۔
اس کے اندر کی دنیا ماتم خانہ بنی تھی۔
وہ وقت ہوا ہو گئے جب وہ بھی بے فکر اور ساری پریشانیوں سے معریٰ تھی - اب تو اس کی منگنی ہونے والی ہے۔ اگر خدانخواستہ اس نے محسن سے کچھ کہہ دیا تو پھر کیا ہوگا - ابّی یہ صدمہ کیونکر برداشت کریں گے ۔ یا الٰہی! مجھے پناہ میں رکھیو۔
اور یہ کمبخت بدمعاش ابّی کا کیسا خیرخواہ بنتا ہے ۔ ہنھ! لکھنؤ جائے گا۔ محسن کے چال چلن کا اندازہ کرنے ۔ اسے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کے تو دیکھے - خدا اس سے سمجھے!
"بی بی! کیا معتکف ہو گئی ہو؟" رضیہ کھڑکی سے جھانک کر بولی "صبح سے جو کمرے میں گھسی ہو تو باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتیں" وہ اندر آکر اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔
"اے اللہ! تم تو رو رہی ہو بی بی"
اس کے آنسو تیزی سے بہہ چلے ۔ کچھ نہ بولی۔
"کیا راضی نہیں ہو رسم پر؟ کچھ تو بولو! رو رو کر کام خراب کرو گی بی بی بولو تو سہی! میں بھیا سے کہہ کر صاحب تک بات پہونچا دوں گی"
"نہیں رضیہ جو ہو رہا ہے اُسے ہونے دو!"
"پھر تم روتی کیوں ہو؟"
"رضیہ میں ایک دلدل میں پھنس گئی ہوں"

" یہ کیا کہہ رہی ہو بی بی ؟ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے "

" پہلے وعدہ کرو کہ کسی سے کچھ نہ کہو گی "

" اچھا "

" اچھا نہیں ۔ اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر یقین دلاؤ "

" ماں باپ کی قسم ! کسی سے کچھ نہ کہوں گی ۔ " رضیہ بے تابی سے بولی ۔

" رضیہ ! وہ جو ادھر فاران صاحب رہتے ہیں نا "

" ہاں ہاں "

" وہ میرے درپے ہو گئے ہیں ۔ رضیہ ! میں کیا کروں ؟ "

" میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آرہا ہے ۔ دن بھر وہ گھر سے باہر رہتے ہیں آپ دن بھر اپنے گھر میں رہتی ہیں ۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے ؟ "

سجاتی نے رضیہ سے سارے واقعات کہہ دیے ۔ اور تصویر غم بن کر بیٹھ گئی ۔

" خط ہی لکھا تھا تو ہاتھ بگاڑ کر لکھا ہوتا بی بی " رضیہ بھی پریشان ہو گئی " مگر تم کو ان سے مطلب ہی کیا تھا ؟ چاہے وہ آوارہ ہوتے کہ لفنگے ۔ تم ان کی بیوی کو خط لکھنے کیوں بیٹھ گئیں ۔ ۔ ۔ ۔ "

" اب کیا ہو گا رضیہ ؟ "

" میں ان سے ملوں گی اور کہوں گی کہ یہ ساری حرکتیں کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی ۔ ہماری شریف پردہ دار بیوی کو پریشان کر رکھا ہے "

" نہیں نہیں ! وہ بے دھڑک آدمی ہے سیدھا آتی کے پاس پہنچ جائے گا ۔ اگر آتی نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا تو قسم کھاتی ہوں کہ خودکشی کر کے مر جاؤں گی "

"دو رپار! تمھارے دشمن خودکشی کریں۔ تو پھر بتاؤ کیا ہوگا؟"

"تو ہی کچھ بتا میری بہن! میں بہت پریشان ہوں"

رضیہ سوچ میں گُم ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں بھلا کیا آتا؟

"تو دو تین نفل روزے مان لے۔ میں بھی مانے لیتی ہوں۔ نفل نماز پڑھ کر بھی دعا مانگوں گی۔ کہ اللہ میاں اُس منحوس کا دل پلٹ دیں"

"میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ کھلنڈرے آدمی ہیں۔ یونہی شرارتاً تمھیں ڈرا دیا ہے کریں گے کچھ بھی نہیں"

"رضیہ میری تصویر بھی تو ہے اُن کے پاس"

"بی بی! تم تو غلطیوں کی پوٹ بن کر رہ گئی ہو"

"رضیہ تو میری بہن ہے، میری ماں ہے۔ میں اپنے سونے کے کنگن تجھے دے دوں گی۔ تو میری تصویر کسی طرح سے اُن کے پاس سے لے آ۔ ہاتھ جوڑوں تیرے۔ میری پیاری بہن"

"ابھی جاؤں؟" رضیہ نے مستعدی سے پوچھا۔

"ہاں، سن! ٹھہر جا!! وہ جو شاہی ٹکڑے اور مرغ پلاؤ پکا ہے وہ سینی میں لگا کر لے جا۔ خوشامد تو کرنی ہی ہے۔ بہت سے امرود گدر گدر شاخ میں لگے ہیں، تو جب تک کھانا نکال لا۔ میں امرود توڑ کے ٹوکری میں رکھتی ہوں"

"ہرن کے کباب بھی تو پکے ہیں۔ کہو تو ایک طشتری میں وہ بھی رکھ لوں بی بی؟"

"خوب سوچا۔ رکھ لو! مگر سنو! وہ پوچھیں گے یہ سب کس خوشی میں لائی ہو"

"کہہ دوں گی گھر پہ پکے تھے۔ صاحب نے بھیجے ہیں"

"ارے ارے!! ابّی سے وہ شکریہ ضرور ادا کریں۔ تب ابّی نہ کہہ دینگے کہ صاحب ہمیں خبر نہیں"

"بی بی! سچ، تم بہت بھولی بھالی ہو۔ ایسے صاحب تو اُن کو بہت چاہتے ہیں وہ خوش ہوں گے کہ ہم نے پڑوسی کا خیال رکھا تھا۔ اچھا میں کھانا لے آؤں تب تک تم امرود توڑ رکھو۔ جلدی کرو بی بی! ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ لوگ کھا پی چکے ہوں پھر کھانا لے جانا اکارت ہو جائے گا۔"

"ہاں ہاں، فوراً لے جاؤ۔"

رضیہ کچن میں بھاگی۔ سحابی چمن میں نکلی اور ٹارچ روشن کرکے درخت پر امرود تلاش کرنے لگی۔

چچی جان نے دیکھ لیا "بی بی! رات کو درخت سے پھل پھول نہیں توڑتے۔ چلی آؤ!"

"چچی جان! رات بھر میں چوہے یا گلہریاں کھا جائیں گے۔ صبح کو طوطے نہیں چھوڑتے۔"

"اچھا تو تین مرتبہ تالی بجا کر درخت کے پاس جانا۔" انھوں نے کہا۔

"جی اچھا!" سحابی نے کہا اور تالیاں بجا کر ڈنڈا سنبھال لیا۔ پل بھر میں اس نے بارہ تیرہ بڑے بڑے امرود گرا لیے اور آنچل میں سمیٹ کر بھاگی۔

"سنو! اس وقت سردی میں امرود نہ کھانا" چچی جان للکارتی ہی رہ گئیں "زکام ہو جائے گا۔ یونہی دھان پان ہو۔"

مگر اس نے ان کی ایک نہ سُنی۔

رضیہ بڑے سلیقے سے مرغ پلاؤ، ہرن کے کباب اور شاہی ٹکڑے، پیالیوں میں نکال لائی تھی۔ کھانوں کی وہ خوشبو تھی کہ دماغ اڑا جا رہا تھا۔ سحابی نے رال گھونٹ کر کہا "علیمن بوا نے پکایا ہوگا یہ سب کچھ۔ تو تو نہیں پکا سکتی ایسی خوشبودار چیزیں۔"

"حلیمن بوا نے تو فقط مصالحے پیسے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کی ساس نے پکایا ہے۔" رضیہ ہنسی۔

"اللہ قسم!" سحابی نے آنکھیں نکالیں۔

"اے اور کیا بی بی! مزے کرو! سسرال میں اچھے اچھے کھانے کھایا کرو گی۔"

"بس اب جا۔ دیر لگا رہی ہے۔ سُن تو! جا کے کہے گی کیا؟"

"اِدھر اُدھر کی چند مذاق کی باتیں کروں گی پھر مطلب کی بات کروں گی۔" رضیہ نے کہا۔

"یا خدا۔ ایک غیر آدمی سے تو مذاق بھی کرے گی؟" سحابی حیران ہو کر بولی

"جب وہ مذاق کرتے ہیں تو میں کیوں نہ کروں۔ اچھا میں چلی۔ تم تب تک نفل نماز پڑھو خدا کام بنا دے۔"

"آمین آمین!" سحابی نے خلوصِ دل سے کہا "مگر دیکھو میرا نام نہ لینا۔ خبردار! نہ اِن خطوں کا تذکرہ کرنا!"

"سونے کے کنگن یاد رکھنا بٹیا رانی! لیے بغیر نہ رہوں گی۔ ہاں" رضیہ نے دھمکایا۔

"تو میری عزت بچا رہی ہے رضیہ! میری جان حاضر ہے تیرے لیے"

"وہ تمہیں کو مبارک! مجھے تو بس کنگن دے دینا"

"اچھا اچھا ضرور۔ پہلے بامراد واپس تو آؤ!"

رضیہ خوان سنبھالے امرودوں سے بھری نازک باسکٹ لٹکائے چل دی۔ سحابی اُسے دیکھا کی، پھر جلدی سے وضو کیا اور جانماز پر آ بیٹھی۔ گڑ گڑا کر دعا مانگنے لگی۔

بڑا ہال تیز روشنی سے جگمگا رہا تھا، بڑے تخت پر پھولدار چادر بچھی تھی۔ نیچے،

قالین پر دونوں لڑکے بیٹھے مصنوعی مرغوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے، بچی ٹوائے ٹرین پٹریوں پر چلا رہی تھی۔ رہ رہ کر اُن تینوں کے ملے جُلے معصوم قہقہے فضا میں گونج اٹھتے۔ بڑی بیگم چپکے چپکے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ بڑے صاحب آرام کرسی پر بیٹھے اپنے پوتوں کو کھیلتا دیکھ کر ہنس رہے تھے اور فاران بچوں کے پاس چوکی پر بیٹھے مرغوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے۔

رضیہ چپکے سے اوپر آئی اور بیگم سے بولی :

" اماں! سلام "

اس کی آواز پر سب ادھر متوجہ ہو گئے۔ بیگم مسکرائیں " جیتی رہو! آج کیسے بھول پڑیں۔ وہ بھی شام کو؟ "

" سلام بڑے صاحب! " رضیہ نے بڑے میاں کو آداب کیا اور فاران سے بولی " بھیا! ذرا میرے ہاتھ سے سینی لے لیجئے " اور امرود کی باسکٹ تخت پر رکھدی فاران نے اٹھ کر اُس کے ہاتھ سے کشتی لے لی اور مسکرا کر بولے " رضیہ بیگم! معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے شاہی مطبخ اٹھا لائی ہو۔ بہت عمدہ عمدہ خوشبوئیں ناک سے ٹکرا رہی ہیں۔ کیا معاملہ ہے؟ "

" صاحب نے بھیجی ہیں " رضیہ بولی " بھیا! وہ تو آپ کو بہت چاہتے ہیں کہنے لگے کہ ہماری حلق سے نوالہ تک نہ اُترے گا جب تک کہ فاران میاں کو نہ بھجوا دینگے بس اپنے کھانے سے پہلے مجھے یہ سب دے کے دوڑا دیا۔ آپ لوگوں نے ابھی کھانا تو نہیں کھایا ہوگا "

" اب کھائیں گے۔ تمہاری چیزوں نے تو بھوک بڑھا دی ہے۔ کیا کیا لائی ہو؟ " فاران نے پوچھا۔

" رضیہ نے ہنستے ہوئے بتایا " مرغ بریانی، ہرن کے کباب اور شاہی ٹکڑے ہیں "

"بس ممی! اب بچھوا دیجئے دسترخوان" فاران نے کہا۔

"کچھ نیاز نذر تھی؟" بیگم نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ایسے ہی ——"

"امرود بے حد شاندار ہیں" بڑے میاں نے ایک بڑا شاداب اور رسیلا امرود ٹوکری سے اٹھا کر سونگھا اور اُسے گیند کی طرح اچھالنے لگے۔ پھر بولے "بھئی تم اپنے صاحب سے کہنا کہ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں کئی مرتبہ ارادہ کیا مگر"

"جب چاہے مل لیجئے۔ صاحب کی تو پنشن ہو گئی ہے۔ گھر ہی پر رہتے ہیں کہیں آتے جاتے نہیں"

"بھئی کچھ پھول بیلے کے نہیں لیتی آئیں۔ وہ بھی تو روح کی غذا ہے" فاران نے کہا۔

"بیلے کا زمانہ گیا بھیا! اب تو جوہی چنبیلی خوب پھولی ہے" رضیہ بولی۔

"وہی سہی۔ تمہارے گھر کی خوشبو کا حال ہی اور ہے" فاران ہنسے۔

"اچھی بات ہے۔ پھر آؤں گی تو لیتی آؤں گی" رضیہ بولی۔

بڑی بیگم کھانے کے انتظام میں چلی گئیں۔ سرکار بھی اُٹھ گئے۔ تب رضیہ نے سرگوشی میں کہا "بھیا! آپ سے ایک بہت ضروری کام ہے۔ وعدہ کیجیے! کر دیجئے گا"

"ہاں بھئی تمہارا کام ہم ضرور کر دیں گے" فاران نے کہا۔

"وعدہ؟" رضیہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"وعدہ!" فاران نے بھی اسی اسٹائل سے جواب دیا۔

"مگر یہ بات کسی سے بھی نہ کہئے گا۔ آپ کو اللہ کی قسم!"

"کیا بات ہے؟" فاران متعجب نظر آئے۔

"مجھے بی بی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"سجا بی نے؟" سخت حیرت سے انھوں نے پوچھا۔

"جی ہاں، وہ بہت پریشان ہیں۔"

"حالانکہ ان کی تو شادی ہو رہی ہے۔ انھیں تو خوش ہونا چاہیئے۔"

"وہ اس شادی سے بھی خوش نہیں۔ مگر کیا کریں فاران بھیا! میری بی بی کیسی تقدیر لائی ہیں۔ پیغام لگتے ہیں، چھوٹ جاتے ہیں۔ وہ صاحب کو پریشان نہیں دیکھ سکتیں۔ مجھ سے اپنے سارے راز کہہ دیا کرتی ہیں۔ کہہ رہی تھیں محسن انھیں بالکل اچھے نہیں لگتے مگر یہی سہی۔ کسی طرح ابّی کی فکر تو دور ہو۔ وہ صاحب کی خاطر خاموشی سے رضا مند ہو گئی ہیں۔"

"یہ بات ہے!" فاراؔن نے کہا۔

رضیہ مغموم لہجے میں بولی "جی ہاں۔ مگر آپ کسی سے کہیئے گا نہیں۔"

"نہیں نہیں۔ تم بالکل مطمئن رہو۔"

"مگر اس وقت جو بی بی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ کام دوسرا ہے۔"

"وہ بھی کہہ دو!"

"کوئی تصویر ان کی آپ کے پاس رہ گئی تھی۔ بس انھیں اسی کا دھڑکا لگا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ بہت شریف، اعلیٰ مرتبہ اور رحمدل انسان ہیں آپ کسی کی بربادی نہیں چاہتے۔ مگر میری التجا ہے میرے بھیا کہ آپ بی بی کی تصویر مجھے دے دیجئے۔ میں اُن کے سامنے سرخرو ہوں۔ وہ بے حد پریشان ہیں۔ میں ان کی رتی بھر پریشانی نہیں دیکھ سکتی۔"

"کیا تمھاری بی بی نے تم سے کہا ہے کہ اُن کی تصویر میرے پاس ہے؟"

"جی ہاں، ان کا کون سا راز مجھ سے چھپا ہے۔ بے چاری کی ماں نہیں،

کوئی بہن نہیں، میری بھی ماں ہیں نہ بہن۔ وہ اپنی ساری باتیں مجھ سے کہہ دیتی ہیں۔ میرے ہی سامنے تو روتی بھی ہیں۔ میں بھی ان کی بہن پہلے ہوں، ملازمہ بعد میں۔ وہ مجھے ملازمہ سمجھتی بھی نہیں ہیں۔ ساتھ کھلاتی پلاتی ہیں، ساتھ سلاتی ہیں۔ ہیرا ہیں میری سحابی مہرابی بی۔ کاش میری جان ان کے کام آ جائے۔ یہ جو کپڑا آپ مجھے پہنے دیکھ رہے ہیں، کتنے قیمتی ہیں۔ انھیں نے بنا دیے ہیں۔ آج تک اپنی اُترن نہیں دی۔ کہتی ہیں کہ تو میری چھوٹی بہن ہے۔ دہی بہن! جو میں پہنتی ہوں۔"

رضیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"صاحب! کھانا لگادیا۔" اُن کے ملازم نے اطلاع دی۔

"چلو رضیہ! کھانے پر ہمارا ساتھ دو!" فاران اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ جائیے! ورنہ کھانا ٹھنڈا ہو کر خراب جائے گا۔ مجھے اجازت دیجیے۔ اُدھر بھی کسی نے کھانا نہیں کھایا۔ صاحب آ گئے ہوں گے۔" رضیہ بھی کھڑی ہو گئی "بھیا! میرا کام کر دیجیے تو میں بھی چلوں۔"

"اچھی بات ہے لو کر دیا تمھارا کام!" فاران نے ہنستے ہوئے کہا۔ پتلون کی جیب سے ایک چھوٹا سا لفافہ نکالا اور رضیہ کو تھما دیا۔ "دیکھ کے اطمینان کر لو۔ تمھاری بی بی ہی کی تصویر ہے کہ نہیں۔"

"رضیہ نے دیکھا سحابی کی تصویر تھی۔ تعجب سے بولی۔ "کیا آپ ہر جگہ ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں؟"

"ہاں، کیا کرتا۔ سوچا تھا کہ کبھی موقع ملے گا تو دے دوں گا۔ مگر موقع ہی نہیں ملا۔"

"سچ مچ آپ بڑے اچھے ہیں۔" رضیہ خوش ہو گئی "یہی تو میں بی بی سے کہہ رہی تھی کہ آپ انھیں ہرگز پریشان نہیں کر سکتے۔ آپ تو فرشتہ ہیں فاران

بھیا! بی بی خوش ہو جائیں گی۔"

"ارے بھئی فاران! اور رضیہ چلو! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" اندر سے صاحب نے آواز دی۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔ فاران بھیا سلام!"

"سلام سلام! آتی رہنا۔"

"جی اچھا۔" وہ بھاگتی ہوئی چلی گئی۔

وہ برتن وربتن سمیٹ کر خوشی کے گھوڑے پر سوار گھر پہنچی۔ سید صاحب اندر تشریف آ چکے تھے۔ خانساماں کھانے کی میز لگا رہا تھا۔ سب موجود تھے۔ سحابی نے معنی خیز نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ سید صاحب نے رضیہ سے پوچھا "بیٹی! کہاں گئی تھیں؟ یہ برتن کیسے ہیں؟"

"مرغ پکا تھا صاحب! آپ کی طرف سے پڑوس میں دینے گئی تھی۔" رضیہ نے بتایا۔

"بہت اچھا کیا بیٹی! اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔" سید صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

کھانے کے بعد رضیہ چپکے سے سحابی کے کمرے میں آئی۔ پھر اُسے شرارت سوجھی منہ لٹکا بولی۔

"تمہارا خیال درست نکلا بی بی! کھانا تو انھوں نے رکھ لیا۔ میں نے تصویر مانگی تو ڈانٹ کر مجھے بھگا دیا۔ بولے جاؤ اپنی بی بی سے کہنا بیکار تہمت نہ رکھیں کیا وہ چور سمجھتی ہیں؟"

"ہائے اللہ رضیہ! میں ڈوب گئی۔" سحابی کی آواز گلے میں اٹک گئی حالت غیر ہو گئی۔ رضیہ ڈری کہ کہیں اس کی جان پر نہ بن جائے "جھٹ سے بولی:

"توبہ ہے بی بی! تم تو بڑی بودی ہو۔ ذرا سے مذاق میں سہم گئیں۔ یہ کیا ہے تمھاری تصویر۔ بے چارے نے مانگتے کے ساتھ ہی جیب سے نکال کر دے دی"

لفافہ اس نے سحابی کی گود میں ڈال دیا۔ تصویر اس سے نکل کر مسکرانے لگی۔

"یا اللہ شکر ترا، احسان تیرا۔ میرے پروردگار! بے شک تو مضطرب دل کی پکار سننے والا ہے" سحابی کے آنسو ٹپک پڑے۔

"ہاں ہاں، بے شک۔ تم تو ولی اللہ بن گئیں" رضیہ نے دیدے نچائے "پر وہ سونے کے کنگن کہاں ہیں؟ خبردار بی بی! سیدھے ہاتھ سے رکھ دو ورنہ"

"ورنہ کی بچی! چڑیل! مجھے دھمکاتی ہے" سحابی اب پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ ایک کرارا ہاتھ اس کی پیٹھ پر رسید کر کے بولی "تو مجھے کیا سمجھتی ہے بندریا! تیرے جاتے ہی میں نے کنگن نکال رکھے تھے۔ سوچا تھا کہ ادلے کا بدلہ۔ تو مجھے خوش کرے گی، میں تجھے خوش کر دوں گی۔ لے جا اپنے کنگن" اُس نے گریبان سے نہایت چمکدار خوشنما کنگن نکالے اور رضیہ کی گود میں اُسی طرح ڈال دیے جس طرح اُس نے تصویر کا لفافہ ڈالا تھا۔

رضیہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ اٹھ کر سحابی سے لپٹ گئی "میری بی بی! تمھاری خوشی، تمھاری عزت آبرو کے مقابلے میں بھلا سونے کی کیا حقیقت ہے؟ میں تو تم سے مذاق کر رہی تھی، ستا رہی تھی تمھیں۔ یہ رکھ لو! اللہ پاک تمھیں ان کا پہننا نصیب کرے"

"اب تو یہ تیرے ہو چکے" سحابی نے اُس پر جھک کر اُس کی پیشانی چوم لی۔

"نہیں نہیں، میں نہیں لیتی۔ ایسا ہی ہے تو اپنی شادی پر دوسرے مجھے بنوا دینا یہ رکھ لو!"

دونوں میں حجت و تکرار ہوتی رہی۔ سحابی بیحد خوش تھی۔ رضیہ نے اس سے یہ نہیں کہا کہ وہ

فاران کو راز کی چند باتیں بتا آئی ہے۔

پھر پڑوس کے برآمدے سے روز کی طرح وائلین کا جانسوز و جاں گسل نغمہ اُبھرا۔ آج سحابی کو یہ نغمہ ایک اَلوہی راگ لگ رہا تھا۔ سچ ہے آدمی کو سمجھنا مشکل ہے۔ اکثر چہرے دھوکا دیتے ہیں۔ آج اُسے فاران بہت بلند مقام پر نظر آرہا تھا۔

گم صم پڑی وہ سنتی رہی۔

سحابی کی منگنی طے ہو چکی تھی۔ ادھر چچا جان کا اسباب بندھ گیا تھا پروگرام یہ تھا کہ شام کو دونوں کو انگوٹھی پہنا دی جائے اور صبح کو تینوں نکل جائیں۔ محسن کے کاروبار کا نقصان ہو رہا تھا اور وہ بیزار بھی بہت ہو چکے تھے۔

سید صاحب کچھ بجھے بجھے سے تھے۔ شارب بھی دل سے اس رشتے پر راضی نہیں تھا۔ مگر دونوں باپ بیٹے مایوس ہو چکے تھے۔ کیونکہ سحابی کے رشتے لگ لگ کے چھوٹ چکے تھے۔ کہیں سے پیغام آتے نہ تھے۔ اس کی عمر بڑھ رہی تھی۔ رشید صاحب خوفزدہ رہتے تھے کہ اگر محسن بھی ہاتھ سے نکل گیا اور آئندہ پیغام بھی نہ آئے تو پھر کیا ہوگا؟ بَبراً و قہراً وہ راضی ہوئے تھے۔ ایک انگوٹھی خرید لی تھی۔ اپنے قریبی دوستوں محمد عمر صاحب اور احسان احمد صاحب کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ چھوٹی سی ضیافت کا انتظام بھی تھا۔ بہر حال بدرجۂ مجبوری ہی سہی سب کچھ کیا تو تھا۔

شام ہی سے سحابی کمرہ بند کر کے بیٹھ رہی۔ محسن شارب کو لے کر کچھ خریدنے چلے گئے تھے۔ عصر کے وقت واپس آئے۔ شارب اندر چلا گیا۔ سید صاحب

عمر صاحب کو لینے چلے گئے تھے۔ محسن اکتا کر باہر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا لڑکا گلی سے نکلا اور اُن کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما کر بھاگ گیا۔

بڑی حیرت سے انھوں نے لفافہ چاک کیا۔

"جنابِ من!

یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ بالآخر سیّد صاحب کو اپنی فاترالعقل صاحبزادی کے لیے ایک شکار میسّر آ گیا۔ لیکن ہمیں یہ معلوم کر کے بہت افسوس بھی ہوا کہ سیّد صاحب نے باوجود اس پیرانہ سالی اور تقدّس کے آپ کو ناواقف سمجھ کر دھوکا دیا۔ ان کی صاحبزادی تین سال پاگل خانے میں رہ کر آئی ہیں۔ بہکی بہکی باتیں بھی کرتی ہیں۔ بے وجہ ملازمین کو پیٹ دیتی ہیں۔ اسی وجہ سے تین چار جگہوں سے نسبت لگ لگ کے چھوٹ چکی ہے۔ پاگل لڑکی کو بھلا عمر بھر کون گلے کا ہار بنانا پسند کرے گا۔ اگر آپ ایسے ہی فاضل ہیں تو بسم اللہ ——

ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ایک ہمدرد"

محسن نے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ صرف ایک گوشے میں ان کا نام تحریر تھا۔ مگر نہ پتہ، نہ لکھنے والے کا نام۔ یہ کیا معمّہ ہے! وہ بے چینی سے ٹہلنے لگے۔ لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

اتنے میں فاران کی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی۔ فاران شیروانی پاجامے میں ملبوس اُترے۔ ڈرائیور کو کار لے جانے کی ہدایت کر کے وہ محسن کی طرف آئے اور بڑے تپاک سے سلام کر کے مصافحہ کیا۔

"مبارک ہو جناب!" انھوں نے محسن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا

"کاہے کی مبارکباد؟" محسن یکبارگی بھڑک اٹھے۔ مگر فوراً سنبھل کر

بولے۔ "شکریہ! مجھے مبارکباد بعد کو دیجیے گا۔ پہلے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"شوق سے! آئیے اندر چل کے بیٹھیں۔ سیّد صاحب قبلہ بھی تشریف رکھتے ہوں گے۔"

"نہیں نہیں، یہ بات سیّد صاحب کے سامنے پوچھنے کی نہیں ہے۔" محسن نے کہا۔ "جو کچھ میں پوچھنا چاہتا ہوں اس کے لیے تنہائی بہت ضروری ہے"

"تو کیا یہیں سڑک پر؟" فاران نے تعجب سے پوچھا۔

"اِس طرف آجائیے۔" محسن نے بے چینی سے کہا۔ "وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ بات ہمارے آپ کے سوا کسی کو معلوم ہو۔"

دونوں قریبی کیفے میں ایک الگ تھلگ گوشے میں جا بیٹھے۔

"جناب! آپ سیّد صاحب کے ہمسایے ہیں" محسن نے کہا۔ "اُن کے کنبے کا قریب سے مطالعہ کرتے رہے ہوں گے۔"

"یہ شرف مجھے حاصل ہے۔ کہ سیّد صاحب مجھے بہت چاہتے ہیں۔"

"میں بھی آپ کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ میں جو کچھ پوچھوں خدارا جواب دینے میں تساہل نہ کیجیے گا"

"فرمائیے!" فاران نے مستعد لہجے میں کہا۔

اِدھر اُدھر دیکھ کر محسن نے جیب سے خط نکالا اور فاران کو پکڑا دیا

"پہلے پڑھ لیجیے! پھر میں کچھ کہوں گا۔"

فاران نے تیزی سے خط ختم کیا اور سخت حیران و متعجب نظر آنے لگے۔

"صاحب! یہ کیا معمہ ہے؟" محسن نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر بعد میری منگنی ہونے والی ہے اور چار گھنٹے قبل مجھے ایسا پُراسرار خط ملا ہو۔ کیا

سمجھوں کیا نہ سمجھوں؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے صاحبزادی کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے۔"

فاران نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

مطلب ہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" فاران نے بے بسی سے کہا۔

"میں نے دیکھا ہے فاران صاحب کہ صاحبزادی ہیں تو کچھ کریک۔" محسن نے کہا۔ "میں سمجھا تھا کہ وہ معمولی سی بات ہے۔ لیکن اب سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میرے نامعلوم ہمدرد نے غلط نہیں لکھا۔"

"ہائیں! آپ نے صاحبزادی میں کیا دیکھا جناب؟"

"جب بھی اُن سے گفتگو کی، عجیب اکھڑی اکھڑی باتیں انھوں نے کیں۔" محسن نے جواب دیا۔ "میں نے پوچھا تھا کہ آپ کو لٹریچر اور فلموں میں کون سی قسم پسند ہے؟ کہنے لگیں کہ جاسوسی ادب اور اسٹنٹ فلم۔ مار دھاڑ جنگ بازی جس میں زیادہ ہو۔"

"لاحول ولا قوۃ۔"

"اور سنیئے کچھ تذکرہ ملازمت کا تھا۔ کہنے لگیں کہ ملازمت اس لیے نہ کی کہ تنخواہ بہت زیادہ تھی۔ اچھی نہیں لگی۔ لہٰذا کسی اور کے حق میں دستبردار ہو گئیں۔"

"نہیں جناب! آپ نے نہ جانے کیا سُنا ہے۔" فاران نے بے اختیاری سے کہا۔

"بخدا سچ کہہ رہا ہوں۔ اور بھی بہت سی باتیں اس لڑکی نے ایسی اوٹ پٹانگ اور بے معنی کی تھیں کہ میں اُسی وقت سوچنے لگا تھا کہ یہ کریک معلوم ہوتی ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ زیادہ قیمتی کن چیزوں سے [illegible]

چھوٹ چکی ہیں؟"

"جناب! لڑکی کا معاملہ ہے۔ میں کچھ کہہ کے گنہگار نہیں بنوں گا" فاران نے کہا۔

"تو یہ بھی صحیح ہے" محسن نے کہا "آپ کے اس طرح کہنے ہی سے میں سمجھ گیا ہوں۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ بہت وقت ہے۔ میں چچا جان کے نام رقعہ لکھ کر چل دوں گا۔ پاگل لڑکی کا عذاب عمر بھر سر پر کون مسلط کرے گا"

"کیا آپ سید صاحب کی توہین کریں گے؟" فاران نے غصے سے کہا۔

"سید صاحب میری زندگی برباد کرنا چاہتے ہیں" محسن نے بھی نتھنے پھلا کر کہا "میں تو بہت رعایت کر رہا ہوں۔ بغیر کچھ کہے سنے چل دوں گا۔ رقعے میں لکھ دوں گا کہ کمپنی سے ارجنٹ بلاوا آ گیا تھا۔ چونکہ گاڑی کا وقت نہیں تھا لہذا ابا ئی کار جانا پڑا۔ منگنی دنیا بھی سال چھ ماہ ملتوی ہوتی رہے گی۔ پھر سال بھر بعد کون یہاں آتا ہے اس عرصے میں سید صاحب قبلہ کو بھی کوئی نہ کوئی گاؤدی مل ہی جائے گا۔ میں تو چلا۔ خدا حافظ!" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"لیکن سید صاحب نے منگنی کا جو سارا انتظام کیا ہے؟" فاران نے محسن کا ہاتھ پکڑ لیا "آپ ہرگز نہیں جا سکتے"

محسن نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑا لیا اور سرخ سرخ آنکھوں سے فاران کو گھورتے ہوئے بولے "غنیمت جانیے مسٹر فاران کہ میں چپ چاپ جا رہا ہوں سید صاحب کی دھوکے بازی اور ان کی صاحبزادی کے پاگل پن کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ رہا ہوں۔ اگر کمینگی پر اتر آتا تو وہ حضرت کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتے"

فاران شیروانی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے دیکھتے رہے اور محسن کیمپ سے نکل کر چلے گئے۔ ایسے غصے میں تھے کہ فاران سے رخصتی الفاظ تک نہ کہے۔

جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو فاران کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ
پھیل گئی۔ انھوں نے جیب سے وہ خط نکالا جو محسن نے انھیں پڑھنے کے لیے دیا تھا اور
جسے غصے کے عالم میں اُن ہی کے پاس بھول کے چلے گئے تھے۔ فاران نے خط کے نہایت
باریک باریک پرزے کر کے ہوا میں منتشر کر دیے اور کیبنے سے نکل کر سید صاحب
کی کوٹھی کی طرف بڑھ گئے۔ سید صاحب اور شارب نے نہایت تپاک سے ان کا
خیر مقدم کیا۔ سید صاحب نے اپنے دوست محمد عمر صاحب سے فاران کا تعارف کرایا۔ اُن
لوگوں میں بہت سنجیدہ گفتگو شروع ہو گئی۔

ماحول سچ مچ شادی کا لگ رہا تھا۔ کچھ ایسی ہی فضا تھی۔ پان الائچی اور تمباکو
کی خوشبو سے مہکتی ہوئی۔ ایک گوشے میں پھول رکھے تھے۔ اُن کی خوشبو دلآویز تھی۔

بعدِ مغرب منگنی کی رسم اور عشا کی نماز سے پہلے ڈنر کا انتظام تھا۔

چچا جان بھی نماز پڑھ کر آ گئے اور ڈرائنگ روم بھاری آوازوں سے گونجنے لگا
"محسن کہاں ہیں؟" چچا جان نے شارب سے پوچھا "کچھ خریدنے گئے تھے تمھارے
ساتھ۔ صاحب! یہ لڑکوں کی خریداری کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ عین وقت پر خریداری
کے لیے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ موقع محل کی نزاکت نہیں دیکھتے۔ ہم ایسے لاپرواہ اور کاہل
نہیں ہیں۔ چنانچہ ——"

"کچھ رومال عطر اور موزے خریدنے تھے۔ میرے ساتھ ہی واپس آ گئے تھے" شارب
نے بات کاٹ کر کہا۔ وہ ان کی طویل ترین گفتگو سے بہت گھبراتا تھا۔

"تو اب کہاں بیٹھے ہیں؟" چچا جان پدرانہ شان سے گرجے "آئے کیوں
نہیں —؟"

"میں ابھی لے کے آتا ہوں" شارب جان چھڑا کر بھاگا۔

"شادی کی کیا تاریخ رکھی ہے" عمر صاحب نے پوچھا۔

"ہم ربیع الاوّل شریف میں مناسب سمجھتے ہیں" سید صاحب نے کہا "انتظام میں کچھ دیر تو لگے گی۔"

"میں تو کہہ رہا تھا کہ منگنی کا جھگڑا ہی نہ کریں، عقد کر دیں۔ مگر یہ حضرات مانتے ہی نہیں" چچا جان نے کہا۔

"مگر بارھویں شریف ہی مناسب و موزوں ہے۔ مبارک مہینہ" عمر صاحب نے کہا۔

"محسن بھائی تو اندر نہیں ہیں" شارب نے واپس آ کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کیا پھر کچھ خریدنے گئے ہیں؟" چچا جان کو غصہ آ گیا "اچھا باہر دیکھو!"

شارب باہر گیا اور ایک منٹ بعد واپس آ گیا "باہر بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ گھنٹہ بھر پہلے میں نے دیکھا کہ گیٹ کے سامنے ٹہل رہے تھے۔"

"کیسا برا مرض ہے۔ نامعقول لڑکے بزرگوں کی خفگی کی بھی پرواہ نہیں کرتے" چچا جان یہ کہتے ہوئے اٹھے "میں اندر پوچھتا ہوں۔ شاید ان کی والدۂ محترمہ نے کچھ منگوایا ہو۔ عورتوں کو بھی عین وقت پر چیزیں یاد آتی ہیں"

"آپ بیٹھیے بھائی صاحب!" سید صاحب نے کہا "ابھی تو کافی وقت ہے۔ آتے ہوں گے" مگر چچا جان پھنکارتے ہوئے اندر پہنچے اور سیدھے بیوی کے سر پر پہنچ کر دم لیا "میں پوچھتا ہوں یہ کون سا وقت خریداری کا تھا؟ آپ کے طرّہ کہاں ہیں؟"

"میں کیا جانوں؟" گوشت کے ہمالیہ میں زلزلہ سا پڑا "بس مجھ دوڑتے ہیں مجھ ہی پہ۔ کیا میں نے کچھ منگوایا تھا؟ واہ یہ اچھی رہی۔ لینے گئے ہوں گے کچھ۔ جلدی کا ہے کی ہے۔ ابھی تو خاصہ سویرا ہے"

"بکو مت" چچا جان نے شوہرانہ شان سے ڈانٹا "باہر مہمان آ گئے،

ہیں۔ ان حضرت کا پتہ نہیں "

"مہمان کہیں بھاگے تو نہیں جاتے" بیوی جھنجلیں۔ "بیٹھے رہیں گے۔ مجھے تو لڑکی کی فکر ہے۔ دوپہر سے رو رو کر آنکھیں سُجائی ہیں... اس موقع پر ماں کی ہستی ضروری ہوتی ہے"

"عجیب ناقص العقل ہو۔ اسے سمجھاؤ معصوم کو۔ سینے سے لگاؤ۔ بے چاری ماں کی کمی محسوس نہ کرے۔ وہ اندر بیٹھی رو رہی ہے اور تم اپنا بوجھ لیے یہاں بیٹھی ہو۔ خبردار اس کے سامنے ماں کا تذکرہ نہ کرنا۔ بس اب جاؤ۔ وہ اکیلی ہوگی"

"آپ نے سُنا کہ نہیں۔ مجھے مٹاپے کا طعنہ نہ دیا کیجئے" بیوی بے حد طیش سے بولیں اللہ کھانے پہننے کو دے رہا ہے موٹی ہو رہی ہوں۔ آپ کون سے چھریرے ہیں۔ اپنا بدن دکھائی نہیں دیتا۔"

وہ بمشکل تمام تخت سے اتریں، ساڑی درست کی اور لڑھکتی ہوئی سجابی کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ چچا جان بڑبڑاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

"تشریف لائے محسن میاں؟" غم صاحب نے پوچھا۔

"نہیں صاحب! بس اب آہی رہے ہوں گے" انھوں نے کہا اور ایک صوفے پر ٹک کر ہانپنے لگے"

"فاران بھائی! سجیا کی جدائی کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے" شارب بولا فاران اور وہ دور پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان کی سرگوشیاں بزرگوں تک نہیں پہونچیں۔

"میں بجو سے لڑتا تھا، جھگڑتا تھا، ستاتا تھا۔ اب میں کس سے لڑوں گا بجو اپنے گھر چلی جائے گی" شارب نے کہا اور آنکھیں ملنے لگا" وہ میری بہن بھی ہے میری ماں بھی ہے۔ اس کی گود میں سر رکھ کر ایسی گہری نیند سو جاتا تھا۔ اب ڈھنڈھار گھر میں

دیوانوں کی طرح پھرا کروں گا۔ مجھے بجیا کی خوشبو ملے گی مگر بجیا نہیں ملے گی۔ فاران بھائی! اللہ میاں نے یہ طریقہ کیوں ایجاد کیا ہے کہ لڑکی کی شادی کر کے اُسے اپنے سے دور کر دیا جائے۔

فاران نے ایک گہری سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگے۔

مغرب کے بعد ان میں بے چینی اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ رسم کا وقت ٹلا جا رہا تھا۔ اور محسن کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ سید صاحب رہ رہ کر ہاتھ ملتے۔ چچا جان بھی متفکر تھے۔

دفعتہً کوئی آدمی سید صاحب کو پوچھتا ہوا اوپر آیا۔ کہیں کا ملازم لگ رہا تھا۔ "میں تاج محل ہوٹل کا بیرہ ہوں صاحب!" اُس نے کہا "ایک صاحب ہوٹل میں آئے۔ انھوں نے آپ کا پتہ بتا کر ایک خط آپ کو پہنچانے کے لیے دیا۔ اس کے لیے انھوں نے مجھے معقول کمیشن دیا تھا" اس نے کوٹ کی جیب سے خط نکال کر سید صاحب کو دے دیا۔ بڑی عجلت سے انھوں نے لفافہ چاک کیا۔ اور بلند آواز میں پڑھنے لگے:

"جناب محترم چچا میاں قبلہ!

معاف فرمائیے گا۔ بہت عجلت اور پریشانی میں حیدر آباد سے ابھی اور اسی وقت روانہ ہو رہا ہوں۔ کچھ دیر پہلے کمپنی کا منیجر ملا تھا نہایت ضروری اور ارجنٹ کام کے سلسلے میں مجھے اس کے ساتھ جانا پڑا ہے۔ عجلت اور اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ منیجر صاحب نے مجھے میرا سامان اور اسباب بھی لینے کی مہلت نہ دی ... میں بھی بہت پریشان ہوں حالانکہ مجھے موقع کی نزاکت کا اور تقریب کی اہمیت کا بخوبی احساس ہے خیر انشاءاللہ سال چھ ماہ بعد سہی۔ میں آپ سے دست بستہ

معافی کا خواستگار ہوں ... ابّا جان اور امّی جان لکھنؤ واپس
آئیں تو میرا سامان لیتی آئیں ... ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں ۔
زیادہ حدِ ادب .... والسلام آپ کا خادم محمد محسن "
"چلا گیا وہ ۔ !" چچا جان دل تھام کر رہ گئے "نا خلف نے کیسی
پیٹھ میں چھری گھونپی "
سید صاحب کا ہاتھ لرز رہا تھا ۔ ان کے ہاتھ سے خط چھوٹ گیا ۔ چہرہ دُھلے
ہوئے کپڑے کی طرح سفید اور بے رونق ہو رہا تھا ۔ کچھ بول نہ سکے ۔
" اب کیا ہوگا ؟" عمر صاحب پریشان تھے ۔
"میری بچّی کی تقدیر" سید صاحب نے مردہ آواز میں کہا "ہمیشہ یہی ہوتا
ہے .. نہ جانے تقدیر میں کیا لکھا کر لائی ہے ۔ کوئی خوشی نہ اُسے سزا وار ہے نہ مجھے ۔
یا اللہ ! صبر دیجئے مجھے "
"بھئی اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ؟" عمر صاحب نے انھیں ڈھارس
دی "آج نہ سہی چھ ماہ بعد سہی ۔ لڑکی تو محترم عبدالکبیر صاحب کی ہو چکی ۔ آپ
بدشگونی نہ کیجئے ۔ بسم اللہ کر کے انگوٹھی لڑکی کو پہنا دیجئے ۔ لڑکے کے نام کی چیز اس
کے والدین کو دے دیجئے ۔ بس چھٹی ہوئی "
" نہیں صاحب ! اب سال چھ ماہ بعد ہی سہی " سید صاحب نے کہا " شاہد
بیٹے ! اندر کہلوا دو اب کچھ نہیں ہوگا ۔ تمھاری بد قسمت بہن کا سنگھار نہ کریں ۔
ہار پھول مٹھائی وغیرہ سب اٹھا کر باہر پھینک دو ۔ اب میں ہرگز ہرگز اس کی شادی
کا نام نہیں لوں گا ۔ جب تک میں زندہ رہوں گا اُسے اپنے سینے سے لگائے
رہوں گا ۔ مروں گا تو دعا مانگوں گا کہ میرے ساتھ وہ معصوم بھی مر جائے "
سید صاحب بچّوں کی طرح رونے لگے ۔

شارب بھی ان کی گود میں سر چھپا کر رونے لگا۔

شادی کا گھر غم خانہ بن گیا۔

چچا جان محترم عبدالکبیر صاحب نادم و شرمسار، متاسف اور مبہوت گم صم بیٹھے تھے۔

عمر صاحب سید صاحب کو سمجھانے اور تسلیاں دینے لگے۔

فاران نے شارب کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ وہ سسک رہا تھا۔ میری بجیا تیری تقدیر۔

"یہ کیا بچپنا ہے شارب! ہو سکتا ہے کہ اسی میں اللہ کی کوئی مصلحت ہو۔ آنسو پونچھ لو۔ تمہاری بہن کو معلوم ہوگا وہ بہت رنجیدہ ہوں گی۔ انھیں سمجھانا تمہارا کام ہے کیا تم اور سید صاحب اس طرح رو رو کر انھیں یقین دلا دیں گے کہ وہ سچ مچ بد قسمت ہیں۔ جناب محترم کیا آپ نے خدا کی مرضی فراموش کر دی ہے؟"

سید صاحب جلد ہی سنبھل گئے۔ رومال سے اپنے آنسو پونچھ لیے اور کھانس کر گلا صاف کرتے ہوئے بولے۔ "ہاں، واقعی ہم کیوں رونے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ مولیٰ کی مرضی یہی ہو۔ شارب! نہ رو! میرے بچے اپنی بہن کے سامنے ہرگز ہرگز اس حادثے کا تذکرہ نہ کرنا۔ اس کی دلجوئی کیا کرو۔ اسے ہرگز اپنی حرماں نصیبی کا احساس نہ ہو۔"

"حرماں نصیبی کا ہے کی حسین بھائی؟" عمر صاحب نے کہا۔ "ابھی اس کی کون سی عمر ہو گئی ہے۔ آج نہیں پھر سہی۔ یہ تو بار بار کے واقعات سے تم گھبرا گئے ہو۔ ورنہ کوئی ایسا سنگین حادثہ نہیں ہے۔ اب میں کوشش کروں گا۔ تم سے کوئی مطلب نہیں۔"

"لیکن میں حیران ہوں محمد بھائی!" سید صاحب نے کہا۔ "ہر وقت عین ہی موقع پر یہ کیا سانحہ ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو کہ سارا انتظام ہو چکا تھا۔ وہ منگنی کے بعد بھی جا سکتے تھے۔"

"سب کچھ خدا پر چھوڑ دو بھائی۔" عمر صاحب نے کہا۔

"میں تو اس ناہنجار کو عاق کر دوں گا" عبدالکبیر صاحب اُبل پڑے "مردود نے میری ناک کاٹ دی، چار آدمیوں میں بے عزتی کی۔ میں تو میاں حسین کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔"

"آپ کی شرمندگی کی کوئی بات نہیں بھائی جان!" سید صاحب نے آہ بھر کر کہا۔ "یہ تو ہماری تقدیر ہے۔ آپ بھی تو مجبور ہو گئے ہیں۔"

بہرکیف، منگنی کی محفل درہم برہم ہو گئی، حاضرین بھی رخصت ہو گئے، سناٹا چھا گیا۔ چچی جان تک خبر گئی۔ انھوں نے سینہ پیٹ کر دہائیاں ڈال دیں۔ روئیں پیٹیں، بیٹے کو برا بھلا کہا۔ مگر اب بھلا ہو کیا سکتا تھا۔ میاں بیوی نہایت شرمندہ اور شکست خوردہ سے دوسرے ہی صبح ہی کو چلے گئے۔ جاتے وقت دونوں نے سید صاحب سے بہت معافیاں مانگیں۔ چچی جان سحابی کو سینے سے چمٹا کر بہت روئیں۔

سحابی مبہوت ہو کر رہ گئی۔ رضیہ کو غم ستا رہا تھا۔

"رضیہ! میں نے کوئی بہت زبردست گناہ کیا ہے، جو مجھے یاد نہیں آتا۔ اللہ اسی کی سزا دے رہا ہے۔ ہائے میرے ابی ایسے پے در پے صدمے کیونکر سہیں گے؟"

وہ خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔

"بجیا! تم تو محسن صاحب کو پسند نہیں کرتی تھیں نا؟" رضیہ نے خود سنبھالا لیا اور اسے بھی تسلی دی۔

"میں نے تم سے کہا تھا رضیہ! ابی مجھے کسی سے بھی بیاہ دیں۔ میں سب کچھ برداشت کر لوں گی۔ مگر میرے ابی کی فکر تو دور ہو جائے" وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

رضیہ کیا کہتی ساتھ میں رونے لگی۔

گھر بھر میں اداسی سی طاری ہو کر رہ گئی تھی۔ سادتیہ کی بیاہی بچی اور زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں بس ایک خاقان تھے جو بڑے ہی بے حد مخلص اور انتہائی محبت والے ایت

ہوئے تھے۔ سید صاحب کی ہمت بندھاتے، دلاسے دیتے۔ سید صاحب
ان کی ہمدردی اور محبت کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔

صبح اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ آسمان کی نیلاہٹوں میں موسم سرما
کا آفتاب چمک رہا تھا۔ رنگ برنگی پھولوں نے صحنِ گلستاں میں آگ لگا رکھی تھی۔
فاران اپنا گرم لمبا کوٹ پہنے برآمدے میں دھوپ کے رُخ بیٹھے تھے۔ قدموں
میں ان کا خوبصورت وائیلن پڑا ہوا تھا اور تینوں بچے قالین پر کھیل رہے تھے۔
آج مس حبیب نہیں آئی تھی۔ بچے فاران سے چمٹے ہوئے تھے۔ دور لانگ چیئر پر بڑے
سرکار لیٹے صبح کا اخبار دیکھ رہے تھے۔
فاران کے چہرے پر ہمیشہ کی سی بشاشت اور شگفتگی نہیں تھی۔ کوئی درد اور کرب
ان کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا اور چہرہ پژمردہ ہو گیا تھا۔ دفعتہً بچی رونے لگی۔
"ڈیڈی!"
"بھائی نے گڑیا چھین لی تمہاری" فاران اس کے پاس فرش پر آ بیٹھے۔
"ڈیڈی! یہ گھر نہیں بن رہا ہے" بچی بلک رہی تھی۔ مگر اس کی گریہ و زاری
کسی اور وجہ سے تھی۔
"ہم بنائے دیتے ہیں تمہارا گھر۔ روؤ نہیں بیٹی!" فاران نے اُسے گود میں
اُٹھا لیا اور اُس کے آنسو پونچھنے لگے۔ مگر نہ جانے کیا بات تھی۔ وہ کسی طرح خاموش
نہیں ہوئی اور برابر بلک بلک کے روتی رہی۔
"کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہے بیٹا" بڑے سرکار نے پوچھا۔

"شاید اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے ابا جان!" فاران نے بچی کے بال پیشانی سے ہٹاتے ہوئے اس کے چہرے کو چھوا "لیکن جسم تو خدا کے فضل سے نارمل ہے۔۔۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا۔"

دونوں باپ بیٹے بچی کو بہلانے چمکارنے لگے۔ لیکن اس کی گریہ وزاری کسی طرح کم ہی نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اندر سے بیگم صاحب بھی نکلیں اور فاران کی گود سے بچی کو لے کر بہلانے لگیں۔ دونوں بھائی پریشان ہونے لگے تھے۔ وہ بھی کھیل چھوڑ کر دادی کے پاس آ گئے۔ فاران نے بہت گہری سانس کھینچی اور جیب میں سگرٹ کا پیکٹ ٹٹولتے ہوئے ماں کے پاس جا بیٹھے اور دونوں بچوں کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

بچی اب چپ تھی مگر رہ رہ کر سسکیاں لینے لگتی۔

"اسے کیا تکلیف ہو گئی ہے؟" فاران نے پوچھا۔

"میں خود پریشان ہوں" بیگم نے کہا "کل بھی جب تم چھوڑ کر چلے گئے تھے تو دیر تک روتی رہی تھی۔ بار بار اس تصویر کی طرف اشارہ کر کے مچل رہی تھی۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔ اگر زبان ہوتی تو بے چاری کچھ زبان سے ہی بولتی۔"

"تصویر کی طرف اشارہ کر رہی تھی؟" فاران نے حیرت سے پوچھا اور سامنے کارنس پر آویزاں تصویر کو دیکھنے لگے۔ بڑی شدت سے نچلا لب دانتوں میں جکڑ اٹھا۔

اتنے میں مس جیکب آ گئی۔

"معافی چاہتی ہوں مسٹر فاران!" اس نے ندامت انگیز لہجے میں کہا "میں صبح کی پریڈ میں چلی گئی تھی۔ کچھ دیر ہو گئی۔"

"خیر اب انھیں لے جائیے۔ دیکھئے بچی بہت پریشان ہے اسے کسی نئے کھیل میں لگا دیجئے۔"

"جی، بہت بہتر!" مس جیکب نے بچوں کے ہاتھ تھام لیے۔

"انھیں لے جاؤ۔ مینا سوگئی ہے۔ ادھر پڑے سے جاکر کھیلو" بیگم نے کہا۔ مس جیکب بچوں کو لے کر چلی گئی۔ بڑے سرکار اپنے دیوان خانے میں جاکر مطالعہ کرنے لگے۔

"فاران! تم اگر سنجیدگی سے سوچتے تو اب تک یہ مسئلہ حل ہو چکا ہوتا" بیگم نے کہا۔ "آہ! میرے کلیجے پر چھریاں چلتی ہیں جب مجھے مرحوم نوشینہ کی یاد آتی ہے۔ کیا اس کے مرنے کے دن تھے؟ اسے تو کمینے دھوکے باز وقار نے مارا۔ تین تین بچے لیے بے چاری غیر ملک میں یوں پھرا کی جیسے بلی اپنے بچوں کو لیے پھرتی ہے۔ مجھے وقار مل جائے تو میں اس کی بوٹیاں کاٹ کاٹ کے کتوں کو کھلا دوں جس طرح میری نازوں کی پالی بچی کا برا حشر کیا تھا اس سے بدتر میں اس کا حشر کردوں۔ بتاؤ فاران! اب آخر ان معصوموں کا ہوگا کیا؟ آج یہ بچے ہیں کل بڑے ہوں گے۔ یہ کل کو پوچھیں گے کہ ان کے ماں باپ کہاں ہیں؟ تب کیا جواب دو گے؟"

"ممی! ساری دنیا سمجھتی ہے کہ ان بچوں کا باپ میں ہی ہوں۔ اگر کوئی انھیں آگاہ نہ کرے تو بھلا انھیں خود بخود کیسے معلوم ہوگا؟ کہ یہ میرے نہیں میری بہن کے بچے ہیں۔ آپ خدا کے لیے کسی کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اس سے کہہ نہ دیجیے گا لوگ ہمدردی نہیں کرتے ممی! وقت آجائے تو ہنستے ہیں، دل پر خنجر چلاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ میں یہ پسند نہیں کرتا۔ بچوں سے بھی نہ کہیے گا۔ ممی میں نے ان سے خود کو ڈیڈی کہلوانا شروع کردیا ہے۔ بچے نہیں جانتے کہ ان کا باپ وقار تھا۔ وہ نہ جانے کہاں ہے؟ امریکہ بھاگ گیا تھا۔ ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوگا۔ اب بچوں کی خاطر ہندوستان نہیں آسکے گا۔ اسے نوشینہ کی زندگی ہی میں بچوں کی کیا پرواہ تھی۔ اس نے دوسری شادی کرلی ہوگی یا آوارہ گردی کرتا ہوگا

ہم گڑا ہوا ماضی بچوں کے سامنے یا کسی اور کے سامنے کیوں کھود کے نکالیں۔ ممی! آج آپ نے کیا قصہ چھیڑ دیا ہے۔"

"بیٹے! تم مرد ہو۔ تمھیں نہیں معلوم کہ بچے کیسے پالے جاتے ہیں۔ لیکن تم اتنا یاد رکھو کہ چھوٹے بچے ماں کے بغیر پرورش نہیں پا سکتے۔ بینا جس انداز میں رو رہی ہے اس سے تو مجھے یہ ہول ہو رہا ہے کہ ہو نہ ہو وہ غیر شعوری طور پر اپنی ماں ہی کو طلب کر رہی ہے۔ تم بے شک اس کے باپ بن گئے ہو۔ مگر بچوں کے لیے ماں بہت ضروری ہے فاران۔"

"اب میں ان کی ماں کو کہاں سے پیدا کروں۔" وہ بھنا گئے۔ اور چہرہ پھیر لیا۔

"تم نہیں سوچتے کہ بچوں کی ماں کے ساتھ ساتھ اس گھر کے لیے ایک مالکن کی بھی ضرورت ہے۔ میں اب بوڑھی ہو گئی۔ نسیان کی مریض ہوں۔ اختلاج مجھے بیمار رکھتا ہے۔ مجھ سے اب گھرداری، پکانا، ریندھنا، نوکروں کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکتی۔ غموں نے مجھے چکنا چور کر رکھا ہے۔ تمھاری جان سے دور سات بچوں کی موت کے سات گہرے داغ میرے دل پر لگے ہوئے ہیں۔ بچے بھی ایسے نہیں کہ پیدا ہوئے اور مر گئے۔ نہیں فاران وہ تو ہنستے کھیلتے بولتے چالتے رخصت ہو گئے۔ کوئی دس برس کا کوئی سات برس کا۔ ایک لڑکی تم سے بڑی ہوتی اگر ہوتی وہ چودہ سال میں جوان ہو کے ختم ہو گئی۔ سب سے کاری زخم مجھے نوشینہ نے دیا۔ اگر میں ان سب کی یاد میں روتی رہوں تو میری زندگی ہی آنسوؤں میں ڈوب جائے۔ لیکن میں اپنے غم بھولی نہیں۔ یوں چلتی پھرتی ہوں، کھاتی پیتی ہوں۔ مگر میں اندر سے زندہ نہیں ہوں۔ صرف سانس کے چلتے رہنے کا نام زندگی نہیں ہے۔ زندگی کسی اور

چیز کا نام ہے۔ سوچو بیٹا! مجھ ساٹھ سال کی غم نصیب بوڑھی آدمی پر تم نے بچوں کی پرورش اور گھر کی ذمہ داری کا بوجھ ڈال رکھا ہے۔ کیا تمھیں مجھ پر ترس نہیں آتا۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ میں مرنے سے پہلے سکھ کی چند سانسیں بھی لے سکوں۔"

"ایسی بات نہیں ہے ممی!"

"بیٹے پھر کیا وجہ ہے کہ تم شادی نہیں کر لیتے؛ ایک سے ایک اچھی لڑکی نظروں میں کھپی"

"مس جیکب بچوں کی دیکھ بھال کرتی تو ہے"

"تمھارا مطلب ہے کہ میں پیدائش کی گھڑی سے لے کر مرنے کی گھڑی تک بس گھر ہی کی چکی میں پستی رہوں۔ آرام سے کسی وقت نہ رہ سکوں۔ میری بہو آجاتی تو کم از کم مجھے خانہ داری کی الجھنوں سے تو نجات مل جاتی۔ مرنے سے پہلے میں تھوڑی بہت عاقبت کی فکر کر لیتی۔ اب کیا ہے۔ نہ دنیا میں سکھ ملا نہ دین میں ملے گا۔ دنیا دوزخ، آخرت میں بھی جہنم"

"ممی! میں شادی ضرور کر لیتا۔ مگر یہ بتایئے کہ میری بیوی کیا بچوں کو ویسا ہی پیار دے سکے گی جیسا کہ ایک حقیقی ماں دے سکتی ہے؟"

"اللہ میں بڑی قدرت ہے فاران! وہ چاہے تو بے تمک اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر سکتا ہے۔ وہی چاہے تو غیر عورت کے دل میں یتیم بے سہارا بچوں کا پیار ڈال سکتا ہے۔ تصویر کا ایک ہی رخ کیوں دیکھنے ہو بیٹے۔ ہمیشہ کسی معاملے کے روشن پہلو پر نظر رکھا کرو۔ یاد رکھو اللہ تم سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جیسا تم اس کی نسبت سے سوچتے ہو"

"مجھے تو کوئی لڑکی ایسی نظر نہیں آتی"

"بہت سی لڑکیاں تھیں۔ تم نے کسی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ صوبیدار صاحب کی پوتی باقی رہ گئی ہے۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ بہت پیاری لڑکی ہے۔ ابھی سال کوئی بڑی کلاس پاس کی ہے۔ تم اگر کہو پھر مشاطہ سے کہہ کر تصویر منگواؤں گی"

"اس لڑکی کو تو ایک روز یونی ورسٹی کانووکیشن میں میں نے دیکھا تھا۔ بہت فیشن ایبل معلوم ہوتی ہے۔ پٹے کٹے ہوئے تھے، ہونٹ خون کبوتر ہو رہے تھے۔ لباس کے معاملے میں ڈوپٹہ ندارد تھا۔ الیفینٹ باٹم اور منی جاکٹ پہنے تھی۔ آپ سوچئے کہ سیکڑوں مردوں کے ہجوم میں گھری کیسی اچھی معلوم ہو رہی ہو گی"

"اب تو کوئی لڑکی تمہیں سر ڈھانکے نظر جھکائے نہیں ملے گی۔ زمانے کی بے حیائی دیکھ ہی رہے ہو"

"میں مانتا ہوں۔ زمانہ ہی بے حیا ہو گیا ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا ایسی لڑکی تین بچوں کی سرپرستی قبول کرے گی، ان سے محبت کر سکے گی، اپنی تفریح، سیر سپاٹے، رنگ رلیاں چھوڑ کر روتی ہوئی بچی کو چپ کرا سکے گی۔" فاران کے لہجے میں غصے کی لرزش تھی "میں ہر لڑکی سے صاف صاف ہی کہہ دوں گا کہ یہ میرے ہی بچے ہیں۔ خدا کی قسم ممی! میں نے آج تک کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچے میری مرحوم بہن اور بدمعاش بہنوئی کے ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ آج کے زمانے میں کون لڑکی ایسی ہے، جو تین بچوں کے باپ کو بخندہ پیشانی قبول کر سکے"

"اپنے مستقبل کے خیال سے کہہ دیجئے کہ بچے تمہارے نہیں"

"ممی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں! کیا میں اپنے مستقبل کی خاطر اپنے معصوم مظلوم یتیم بھانجوں کے مستقبل کو قربان و برباد کر سکتا ہوں؟ کیا مجھے نہیں معلوم ہی ممی! انہوں نے باپ کی شفقت تو دیکھی ہی نہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ ماں کی ممتا کیا چیز ہے؛ ان کی تین زندگیوں کے سامنے میری ایک زندگی کوئی وقعت و اہمیت نہیں رکھتی۔ میں جب

تک زندہ ہوں جلینی، بچّی اور مینا کا باپ اور ماں بنا رہوں گا - آپ گھر گرہستی سے تھک چکی ہیں - آپ آرام کیجئے - میں اچھے ملازم تلاش کر کے رکھ لوں گا - لیکن جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے گا کہ کون لڑکی تین بچّوں کے باپ کو قبول کر سکتی ہے، ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گا - آئندہ اس سلسلے میں گفتگو نہ کیجئے گا ۔"

"تمھیں غصّہ آگیا فاران!"

"غصّے کی بات نہیں ممی! مگر کیا آپ کو اپنی بدنصیب لڑکی کے مظلوم بچّوں پر رحم نہیں آتا؟" فاران نے کہا اور ماں کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔

بچّے انیکسی میں کھیل رہے تھے - وہ اپنا غصّہ بہلانے کو اُن کے ساتھ کھیل میں لگ گئے - آج بچّوں کے چہروں پر بھی تازگی اور زندگی نہیں تھی -

فاران نے ٹوائے ٹرین میں چابی دی اور اُسے پٹریوں پر چلا دیا۔

"مس جیکب! آپ نے آنے کے بعد انھیں فاریکس اور اوولٹین دی تھی؟"

"دی تھی مسٹر فاران! لیکن انھوں نے روز کی طرح پی نہیں "

"کیوں؟"

"پتہ نہیں سر! ویسے جیسس کی مہربانی سے یہ صحت مند ہیں - جی نہ چاہتا ہوگا "

"نہیں مس جیکب! یہ بات نہیں ہے " وہ سوچ میں گم ہو گئے -

مس جیکب بے فکری نظروں سے انھیں دیکھنے لگی - اُسے فاران پر بہت ترس آتا تھا - بے چارہ! دردمند باپ - نوجوان ہے - دولت مند ہے - خوش مزاج اور نیک دل ہے - مگر کتنا بدنصیب ہے کہ اکیلا ہے اور اداس ہے - بیوی مر چکی - تین چھوٹے چھوٹے بچّوں کا بار اس کے کندھوں پر ہے - کیا کچھ غریب نہ سوچتا رہتا ہوگا - ہنسی تو ایک نقاب ہے - اکثر دکھیاروں ہی کے چہروں پر پڑا رہتا ہے - ہنسی کا نقاب اٹھ جائے تو بہت سے غم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں -

"ڈیڈی!" دفعتہ جینی کی آواز نے فاران کو چونکا دیا۔

"ہاں بیٹے!"

"آج آپ یونی ورسٹی نہیں جائیں گے نا ڈیڈی؟"

"نہیں بیٹے! آج تو سنڈے ہے نا!"

"ڈیڈی! ہم اسکول کب جائیں؟"

"اسکول جانا چاہتے ہو بیٹے؟"

"ہاں ڈیڈی! پپو بھی جائے گا"

"مگر تم اور پپو تو بہت چھوٹے ہو۔ اسکول میں کیسے پڑھ لکھ سکو گے؟"

"اپنی انگلش کی وجہ سے یہ سب بچوں سے آگے رہیں گے سر! انھیں جوائن کرا دیجئے۔"
مس جیکب نے مشورہ دیا۔ "گھر پر ان کا دل نہیں لگتا۔ اب تو یہ لوگ مجھ سے فرمائش کرنے لگے ہیں کہ انھیں پڑوسیوں سے متعارف کرا دیا جائے۔ بچے بچوں کی کمپنی پسند کرتے ہیں مسٹر فاران!"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مس جیکب! کل ہی انھیں پبلک اسکول لے جائیے۔ معارف اور ایڈمیشن کی کوئی پرواہ نہ کیجئے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ یہ بہلے رہیں۔ مگر یہاں فی الحال ان کے ساتھ کھیلنے والا کون ہے؟"

"آپ کی پڑوسی مس حسین سے ان کی بہت دوستی ہو گئی ہے" مس جیکب نے بتایا۔

"یہ اصرار کرنے لگے ہیں کہ انھیں ان کے گھر لے جایا جائے... میں نے سوچا کہ پتہ نہیں آپ کیا کہیں۔ اس لیے نہیں گئی"

دفعتہ فاران کے ذہن میں بجلی سی چمکی۔ انھیں بیگم صاحبہ کا کہنا یاد آیا۔

"بار بار تصویر کی طرف اشارہ کر کے مچل رہی تھی"

ان کی سانسیں پھولنے لگیں۔ تو کیا بے زبان مینا بھی زبانِ حال سے سچائی کو یاد کر

رہی تھی۔ وہ تصویر جو انھوں نے انلارج کرا کے کارنس پر آویزاں کی تھی سحابی ہی کی تو تھی کیا وہ اسی کی یاد میں رو رہی تھی؟ کیا بچے اسی لیے افسردہ و غمگین نظر آرہے تھے۔ انھیں غیر محسوس طریقے پر سحابی کی یاد ستا رہی تھی؟ کیا اسی لیے جبیں نے مدرسہ جانے کی فرمائش کی تھی کہ وہ لاشعوری طور پر اپنے ساتھی چاہتا تھا۔

فاران بے چین ہو کر ٹہلنے لگے۔

اور میں خود ــ ان کے ذہن میں شعلے لپکنے لگے۔

میں خود بھی تو یہی چاہتا ہوں۔

وہ بچے ہیں رو سکتے ہیں۔

مگر میں تو رو بھی نہیں سکتا۔

اندر اندر پھنک رہا ہوں

سحابی کی محبت نے مجھے خاک کر دیا ہے۔

میں کس سے جا کر کہوں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟

میں نے اپنے دکھ تبسم کے کبریائی غلافوں میں چھپا رکھے ہیں۔

خوش مزاج بننے کی کوشش کرتا ہوں۔

خود کو دھوکے دیتا ہوں۔

تب بھی سکون نہیں ملتا۔

میں کیسے اور کیونکر سحابی سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی خاطر میں نے کیا کیا شرارتیں کی ہیں اس کا نازک دل دکھایا ہے۔

اس کے مقدس باپ کے ارمان پائمال کیے ہیں۔ انھیں تکلیف پہنچائی ہے۔

گو کہ اس بات سے وہ قطعی بے خبر ہیں کہ ہر بری کارروائی میں میرا ہاتھ ہے۔

وہ مجھے نیک چلن، مخلص اور ہمدرد انسان سمجھتے ہیں۔

"اگر انھیں پتہ چل جائے کہ ۔۔۔۔

اُف خداوندا ۔ وہ وقت کبھی نہ آئے ۔ کبھی نہ آئے میرے مالک!

ٹہلتے ٹہلتے ان کی نگاہ سامنے برآمدے پر پڑی ۔ اور وہ کھڑکی کی آڑ میں ہو گئے ۔

سحابی اور رضیہ انیکسی میں کھڑی تھیں ۔ سحابی گہرے نیلے رنگ کی ساڑی میں لپٹی بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی ۔ اس کا سفید سفید بھولا بھالا چہرہ ساڑی کے خوشنما نیلا بوٹوں کے ہجوم میں زیادہ دلفریب اور گلابی لگ رہا تھا ۔ شاید وہ نہا کر دھوپ میں نکلی تھی ۔

ایک بار تولیے سے سر خشک کرتے کرتے رُک کر اُس نے مشتبہ نظروں سے سامنے برآمدے کی طرف دیکھا تھا ۔ اور جب وہاں کوئی نظر نہیں آیا تو اس نے اطمینان سے بال خشک کرنے شروع کر دیے تھے ۔ رضیہ کچھ کہہ رہی تھی ۔ سحابی کے گلابی ہونٹوں پر دلکش تبسم مچل رہا تھا ۔

"میں نے اس کے ساتھ کیسی دغا کی ۔ مجھے خیانت کا مجرم کہنا چاہیئے" خاقان نے سوچا ۔

دفعتہً بچی کی نظر بھی سحابی پر پڑ گئی ۔ وہ کھیل چھوڑ کر جینی سے بولی :

"بھائی! وہ چاکلیٹ والی دوست ۔ وہ دیکھو!"

"لائیک اے فلاور" جینی نے کہا ۔ دونوں برآمدے میں آئے اور چیخ کر سحابی کو آواز دی ۔ اُس نے مسکرا کر انھیں دیکھا ۔

"مورننگ آنٹی!" جینی خوش ہو کر بولا اور اپنا ہاتھ سیلوٹ کے انداز سے پیشانی پر رکھ لیا ۔

"آنٹی! آیئے! آیئے!!" بچی زور زور سے ہاتھ ہلانے لگی ۔

اور تب فاران پر یہ ازلی حقیقت منکشف ہوئی کہ بچوں کے لیے باپ اتنا ضروری نہیں جتنی ماں ہے۔ آدمی ازل سے عورت کی محبت کا متلاشی ہے۔ ہر آدم کے لیے حوا ضروری ہے۔ کہیں ماں کے روپ میں، کہیں بہن اور بیٹی کے روپ میں، کہیں بیوی کی حیثیت سے اور کہیں محبوبہ یا صرف کھلونے کی حیثیت سے۔ عورت بہر حال مرد کی زندگی کے فانوس کا جگمگاتا ہوا شعلہ ہے۔ زندگی کی لو ہے۔ اگر مرد کو عورت چاہیئے تو ایک بچے کو ماں چاہیئے۔

اور تب فاران ہی نے محسوس کیا کہ وہ افسردگی اور اداسی جو صبح سے بچوں کے چہروں پر تھی، وہ سحابی کو دیکھتے ہی جوش و مسرت کی لازوال چمک سے بدل گئی تھی۔ فرطِ الفت سے بچوں کے چہرے گلابی ہو رہے تھے۔

فاران نے بے حد دکھ سے سوچا۔ وہ کئی سال سے انھیں اپنی تمام محبت دے رہے تھے، لازوال پیار نچھاور کر رہے تھے۔ مگر سحابی کی چند روزہ محبت نے ان کی پدرانہ شفقت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

بچوں کی چمکار کے جواب میں سحابی نے بھی ہاتھ کے اشارے سے انھیں اپنی طرف بلایا۔

"آپ آیئے!" بچی بولی "ہمیں پانی پر چلتے ہوئے ڈر لگتا ہے"

"نہر پہ تختہ ہے۔ ڈرتے کیوں ہو؟" رضیہ چیخی۔

"چلیں بھائی؟" بچی نے بڑے بھائی سے مشورہ کیا۔

"ضرور چلیں گے۔ آنٹی بڑی اچھی ہیں" جبتی بولا۔

دونوں بھائی فاران سے آ لپٹے۔

"ڈیڈی! چوکلیٹ والی آنٹی ہمیں بلا رہی ہیں۔ ہمیں جانے دیجئے ڈیڈی"

"ہم تو تمھیں روز اچھے اچھے چوکلیٹ کھلاتے ہیں گڈی" فاران نے پوچھا

پھر تم آنٹی کے چوکلیٹ کے لیے اتنے بے چین کیوں ہو؟ کیا وہ زیادہ مزیدار ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ ڈیڈی۔" جینی بولا۔ "وہ ہم سے کہتی ہیں 'میرے بچے'، 'میرے بیٹے'۔

اس کا کیا مطلب ہے۔ مگر وہ بہت اچھا لگتا ہے۔"

فاران کے سینے سے ایک گہری سانس آزاد ہوئی۔

"پتہ نہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟" فاران نے کہا۔ "ہم کو بھی نہیں معلوم

انہی سے پوچھنا۔"

"تو پھر جائیں، پوچھ آئیں ڈیڈی؟" بچوں کی خوشی ناقابلِ بیان تھی۔

"جاؤ!" فاران کے لبوں سے صرف ایک لفظ نکلا اور جب بچے قید سے

چھوٹی ہوئی چڑیوں کی طرح بھاگ گئے تو وہ سر تھام کر صوفے پر گر پڑے۔

"لو بی بی! تمہارے چھوٹے مہمان آ رہے ہیں۔" رضیہ کھلکھلا کر ہنس دی اور

بھاگتی ہوئی زینے سے اتر کر بچوں کے پاس آ گئی۔

"بے بی کو نہیں لائے۔ بے بی کہاں ہے؟" اس نے دونوں کی انگلیاں

پکڑ لیں اور لے چلی۔

"بے بی سو رہی ہے۔" پپی بولا۔

"بے بی آج خوب روئی۔" جینی نے خبر دی۔

"کیوں؟"

"آنٹی کو یاد کر کے۔" جینی نے کہا۔

"ڈیڈی سے کہو کہ بے بی کو ہمیں دے جاؤ۔" رضیہ بولی۔

"سچ مچ؟"

"ہاں؟ وہ تمہاری آنٹی کے پاس رہے گی۔ تو پھر نہیں روئے گی۔"

وہ ہنستے کھیلتے ہوئے سجّادی کے پاس پہنچ گئے۔ سجّادی نے دونوں کو پاس بٹھایا

سمیٹ لیا۔ جب سے اس نے فاران کا شرلیفانہ روپ دیکھا تھا، ان کی آدھی خطائیں معاف کردی تھیں۔ اب تو اسے تھوڑی سی اپنی بھی خطا نظر آرہی تھی اس نے انھیں آوارہ، بدمعاش، لفنگا اور پتہ نہیں کیا کیا بنایا تھا انھیں بھلا کیوں نہ غصہ آتا۔"

"یو آر ویری بیوٹی فل آنٹی۔ لائیک این اینجل" جینی نے کہا۔ سحابی ہکا بکا رہ گئی۔

"امریکن بچے ہیں بی بی!" رضیہ ہنسی سے لوٹ گئی۔ "وہاں ایسی تعریف معیوب نہیں۔ غنیمت ہے کہ اپنی تعریف تم نے بچے کی زبانی سنی ہے۔ باپ کی زبانی نہیں ہے۔"

"پاگل تو نہیں ہوگئی بیوقوف کہیں کی" سحابی نے جھینپ کر اسے ڈانٹ دیا اور بچوں سے باتیں کرنے لگی۔

"اچھا بتاؤ صبح کو کیا کھایا تھا تم نے؟"

"انڈے، دودھ، فورٹیکس اور اولٹین۔ آنٹی آپ نے کیا کھایا تھا؟" جینی نے پوچھا۔

"مجھے انڈے اور اولٹین کون دیتا ہے بھئی" سحابی بولی۔

"ہم دیں گے۔ لے آؤں ابھی جاکر؟" بچی مستعد ہوگیا۔

"نہیں نہیں" سحابی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بھاگنے ہی والا تھا۔

"انڈے دودھ تو بچے کھاتے ہیں۔ میں تو بڑی ہوں۔ روٹی سالن کھاتی ہوں

"ڈیڈی بھی یہی کھاتے ہیں... وہ جو ہوتے ہیں نا۔ کیا کہتے ہیں انھیں۔ ہاں، بڑا مجھے یاد آیا۔ ڈیڈی پراٹھے کھاتے ہیں" بیلی بول اٹھا۔

"ڈیڈی خوب کافی پیتے ہیں" بچی نے اطلاع دی۔

"تم نہ پینا کافی۔ بچے نہیں پیتے" رضیہ بولی۔

"ہاں ہاں، ڈیڈی بھی یہی کہتے ہیں" بچہ بولا۔

"ڈیڈی کیا کر رہے ہیں گھر میں" رضیہ نے پوچھا۔

"توبہ مارے وہی ڈیڈی کا تذکرہ" سحابی جھنجھلا کر اردو میں بولی "کوئی اور بات کرنے کی نہیں"

"ان کے ڈیڈی سے تم کیوں جل رہی ہو بی بی! ہم تو ہزار بار پوچھیں گے" رضیہ شرارت سے بولی۔

معصوم بچے سحابی سے لپٹے جا رہے تھے۔ اظہارِ محبت و ادائیگیٔ تشکر کا کوئی ذریعہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

رضیہ ان کے لیے بسکٹ اور چائے لینے چلی گئی۔

پھر بچے دیر تک اسی کے گھر میں کھیلتے رہے۔ سید صاحب دالان میں آ بیٹھے تھے۔ بے چارے افسوس کرنے لگے۔

"کیا خدا کی مصلحت ہے معلوم نہیں چھوٹے چھوٹے بچوں کے سر سے ماں کا سایہ جاتا رہا"

"صاحب! ان سے بھی چھوٹی ایک بچی گھر میں ہے" رضیہ نے اطلاع دی "ابھی تو وہ بولنا بھی نہیں جانتی" رضیہ بولی۔

"افسوس! افسوس!!"

"فاران بھیا پر ان کی ذمہ داری ہے" رضیہ بولی۔ سحابی چپ چاپ بیٹھی ٹک ٹک کرتی رہی اور رضیہ پر پیچ و تاب کھایا کی۔

"کیوں؟ ان پر کیوں ہے؟" سید صاحب نے پوچھا۔

"انہیں کے تو بچے ہیں" رضیہ جواب میں بولی۔

"کیا؟... نہیں؟" سید صاحب حیران رہ گئے۔ "سچ کہو کیا یہ بچے اپنے احسان احمد کے ہیں۔ واقعی؟"

"ہاں صاحب! اُنھی کے ہیں۔ میں کیوں جھوٹ بولنے لگی۔"

"بھئی عجیب کمال ہے۔ یعنے ہم کو آج ہی پتہ چلا۔" سید صاحب نے تعجب سے بچوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"امریکہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اردو کا ایک لفظ نہیں بول سکتے۔" رضیہ نے کہا۔

"پتہ نہیں کیا معاملہ ہے؟" سید صاحب بولے۔ "آج کل کے نوجوان امریکہ جانا اور وہاں جاکر رومان لڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں... ہو سکتا ہے کہ ان حضرت کے ساتھ بھی کوئی ایسی ہی بات ہوئی ہو۔ وہیں شادی کی ہوگی۔ وہیں بچے ہوئے۔ میں نے بھی کسی سے سُنا تھا کہ انھیں امریکہ سے آئے ہوئے یہاں زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔"

"فاران بھیا نے آپ سے اپنی باتیں نہیں کیں صاحب؟" رضیہ نے پوچھا۔

"نہیں بیٹی! وہ کیوں خواہ مخواہ کرنے بیٹھ جاتے۔ مگر اب ہم ان سے پوچھیں گے۔" سید صاحب نے کہا۔ "بڑا خراب معلوم ہو رہا ہے۔ غریب کیسے دیکھ بھال کرتا ہوگا ان کی۔ پتہ نہیں بیوی کو مرے ہوئے کتنے دن ہوئے۔"

"میں پوچھوں صاحب ان سے؟"

صحافی نے قہر آلود آنکھوں سے اُسے گھورا۔

"پتہ نہیں کیا سمجھیں۔ ہم خود باتوں باتوں میں پوچھیں گے۔" سید صاحب نے کہا۔ پھر جھک کر بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ بے چارے آبدیدہ ہو گئے تھے۔

انھوں نے رضیہ سے کہا کہ بچوں کی پسندیدہ چیزیں تیار کر کے انھیں کھلائے۔

دوپہر کے وقت مس حبیب بچّی کو بھی لے آئی۔

بچّی بہت لپک کر سحابی کی طرف جھکی۔

بچے سب سے زیادہ محبت پہچانتے ہیں۔

سحابی دل ہی دل میں جھینپ رہی تھی۔ اُسے ہنگامی دلچسپی پسند تھی۔ مستقل کوئی مشغلہ اسے بور کر دیتا۔ سیّد صاحب کی محبت دیکھ کر وہ جل گئی۔

رضیہ ہنس رہی تھی۔ اُس نے سحابی کو چھیڑنا شروع کیا۔

عورتیں اولاد کے لیے ترستی ہیں۔ اللہ نے تمھیں بن مانگے تین تین اولادیں بخش دیں۔ مزے کرو بی بی!"

"رضیہ میں تیرا گلا کاٹ کے پھینک دوں گی"

"کٹے ہوئے گلے سے یہی صدا آئے گی بی بی!"

سحابی کچھ دیر بے دلی سے بچوں میں مشغول رہی۔ اُسے اُن سے زیادہ ربط ضبط بڑھاتے ڈر لگ رہا تھا۔۔۔ فاران کے بچے ہیں۔ اور فاران صاحب جیسے ہیں ظاہر ہے۔ دو تین مرتبہ خطرناک شرارتیں کر گزرے ہیں۔ ان سے خدا ہی بچائے۔۔۔ ویسے ان بچوں سے پیار تھا۔ وہ ان پر ترس بھی کھاتی تھی۔۔ غریب ماں کی محبت کے بھوکے تھے۔ کیا تھا جو وہ انھیں پیار کرتی۔ مگر وہ محتاط رہنا چاہتی تھی۔

عبدالکبیر صاحب اور اُن کی بیوی کے چلے جانے کے بعد تو سیّد صاحب

نے کوئی اثر نہیں لیا۔ لیکن بباطن انھیں بے حد صدمہ ہوا۔ انھیں کیا خبر تھی کہ محسن کے فرار میں کون سا راز پوشیدہ تھا۔ لیکن وہ اپنی بھتیجی کی دلجوئی زیادہ کرنے لگے تھے۔ اس کی شکل پر نظر پڑتی اور سید صاحب کے سینے سے آہوں کا دھواں اٹھنے لگتا۔ کیا لکھا ہے اس کی قسمت میں؟ کیوں اس کے سہرے کے پھول نہیں کھلتے؟ سحابی کیا سوچتی ہوگی؟ اپنا مستقبل اسے تاریک نظر آتا ہوگا۔ یہ روح فرسا خیال ان کے دل میں برمے کی طرح چھید کیا کرتا۔ اگر اس نے سنجیدگی سے کچھ محسوس کیا تو کیا ہوگا۔ اپنے افکار کا اظہار وہ بھلا کس سے کرتے؟ شارب کھلنڈرا اور لاابالی تھا۔ اور پھر اُسے اپنے جاں گسل احساسات کا شریک بنانا اُسے دکھ پہنچانا ان کی شفقت سے بعید تھا۔ وہ بے چارہ کیا کرتا؟ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا کہ اداسیوں کو اپنا ساتھی بنا لیتا۔ کوئی فرشتہ وہ کیسے آسمان سے اُتار لیتا۔ کہاں سے لاتا ایک شریف انسان کو اور کیسے استدعا کرتا اس سے کہ وہ اس کی بہن کا ہاتھ تھام لے۔

سید صاحب کا مطالعہ چھوٹ گیا۔ سوچتے سوچتے ان کی بھوک پیاس پر بھی اثر پڑا۔ کھانے کی میز پر آتے تو صرف بچوں کی خاطر بڑی بد مزگی سے دو چار لقمے اٹھاتے اور پھر ادھر اُدھر کی سطحی بے تکی باتیں کر کے میز پر سے اٹھ جاتے۔ شارب نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ مگر سحابی بھانپ گئی۔ یقیناً ابی کچھ سوچنے لگے ہیں۔ تبھی وہ ایسے گم صم رہنے لگے ہیں۔ لیکن وہ فطرتاً محجوب تھی۔ وہ ان سے پوچھ نہ سکی۔ البتہ رضیہ سے بولی کہ وہ ابی کی نقل و حرکت کی تفتیش کرے۔ رضیہ نے بڑی علجدی سے مشاہدہ کر لیا اور خود بھی فکرمند نظر آنے لگی۔

"بی بی! تم سچ کہتی تھیں۔ صاحب کو میں نے جھانک کر دیکھا تھا۔ ٹہل رہے تھے۔"

"نہ پڑھ لکھ رہے تھے نہ سگریٹ پی رہے تھے؟"

"نہیں بی بی!"

"ابّی کیا سوچتے رہتے ہیں رضیہ؟"

"کہو تو پوچھوں ایک روز؟"

"ایک روز کیا مطلب؟ آج ہی دوپہر کو کھانے پر آئیں تو پوچھنا"

"تمھاری فکر ہوگی بی بی انھیں"

"چل ہٹ۔ میری کاہے کی فکر"

"بڑی اماں ہوتیں تو بے شک کچھ نہ سوچتے۔ مگر اب تمھاری ساری فکریں انھیں پر تو ہیں"

"میں بڑی منحوس، بے حد بد نصیب ہوں رضیہ" سحابی کی آواز آنسوؤں میں گھل مل گئی "اگر آج کے دن میں اپنے گھر بار کی ہوتی تو ابّی کو سکھ کی نیند تو نصیب ہوتی۔ تو سچ کہتی ہے۔ ابّی یہی سوچتے رہتے ہوں گے۔ میری بات تین چار جگہ لگ کر چھوٹ چکی ہے۔ ابّی کے دل پر بہت صدمہ گزرا ہوگا... بتا دُ رضیہ! میں کیا کروں؟"

"اللہ کی مرضی میں کیسے دخل دوگی بی بی؟"

سحابی کے آنسو بہہ چلے "اگر آج کو میری امی زندہ ہوتیں تو مجھے کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتی۔ رضیہ! میں اپنی امی کو چوتھے پانچویں روز خواب میں ضرور دیکھتی ہوں۔ وہی اداس بڑی بڑی آنکھیں۔ خاموش خاموش مجھے دیکھتی رہتی ہیں۔ پتہ نہیں ان کی روح کو کیا تکلیف ہے؟ وہ مجھ سے کیا مطالبہ کرنا چاہتی ہیں؟ کبھی کچھ کہتیں نہیں۔ میں نے ان کے نام سے مسکینوں کو کھانا دیا۔ بہت کلام پاک پڑھ کر بخشے۔ مگر امی کو کیا بے چینی ہے؟ رضیہ! شاید

وہ مجھے بُلانے آتی ہیں دوسری دنیا میں ان کا دل نہیں لگتا۔ اچھا ہے لے جائیں مجھے اپنے ساتھ" اس نے زانوؤں پر سر ڈھلک لیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو بی بی؟" رضیہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں اُلجھا دیں۔ اور سمجھانے لگی "تمھیں دراصل ابّی اور بھیّا سے محبت نہیں رہی۔ تم ذرا بھی نہیں سوچتیں کہ اگر تمھارا بال بھی بیکا ہوگا تو یہ دونوں دیوانے ہو جائیں گے۔"

"میں ابّی کو کیسے بھول جاؤں رضیہ!"

"بی بی اپنے چاہنے والے جو مر جاتے ہیں ان کا تعلق اپنے زندہ عزیزوں سے ٹوٹ نہیں جاتا۔ بڑی اماں تمھیں کتنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے خواب میں نظر آتی ہیں"

"کیوں بیٹی! آج گھر میں سنّاٹا سا کیوں طاری ہے؟" سیّد صاحب دالان کا دروازہ کھول کر اندر آئے۔ سحابی نے چہرہ پھیر کر جلدی سے آنسو پونچھ لیے اور رضیہ کا ہاتھ دبا کر تاکید کی کہ وہ ہرگز ان باتوں کا اُن سے تذکرہ نہ کرے۔

"بیٹی! انجم بھائی تشریف لائے تھے۔ ہم نے انھیں کھانے پر ٹھہرا لیا ہے۔ اگر ایک آدھ چیز کھانے میں بڑھا دو تو بہت اچھا ہو۔ کھانے میں کیا دیر ہے؟"

"کچھ بھی نہیں صاحب! بوا آٹا گوندھ رہی تھیں" رضیہ بولی "پراٹھے اور سویّوں کا مزعفر پکوا دوں؟ ترکاری کی تہری اور دہی کا رائتہ رکھا ہے۔"

"شکور کو بھیج کر بازار سے کباب بھی منگوا لینا۔"

"اچھا صاحب! ابھی آدھے گھنٹے میں کھانا بھیجتی ہوں۔" رضیہ یہ کہہ کر چلی گئی۔

"بڑی قابلِ قدر بچی ہے" سیّد صاحب دور تک اُسے جاتا ہوا دیکھتے رہے "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اسے کیا معاوضہ دیں جو اس کے شایانِ شان ہو جب ہم بیمار ہو گئے تھے۔ تب اس نے ہماری کیسی خدمت کی تھی۔ اللہ اکبر!"

سحابی چپ رہی۔

"آج ہمسایے سے بچے نہیں آئے ؟"

"آئے تھے ابّی!" سحابی نے آواز سنبھال کر کہا۔ "شارب بجّنی اور بچّی کو اپنے ساتھ پارک لے گیا ہے، بے بی اندر سو رہی ہے۔"

"تم بہت محبت کرتی ہو ان سے۔ اللہ پاک اجر ضرور دے گا۔" سید صاحب نے کہا پھر یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔

"ایک بجنے والا ہے۔ کھانا تم دیکھ لینا بیٹی! انھیں کسی کام سے ضروری جانا ہے۔"

"اچھا ابّی!"

سحابی نے کمرے میں آکر سوتی ہوئی بچّی کو دیکھا۔ اس پر دوہرا لحاف اڑھا دیا جھک کر اس کی چمکتی ہوئی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔

"میں بہت چاہتی ہوں تمھیں میری مینا! مگر میں کیا کر سکتی ہوں تمھارے لیے؛ تم ایسے باپ کی بیٹی ہو جس سے مجھے نفرت ہے۔"

پھر وہ کچن میں آئی۔ حلیمن بوا بڑے نفیس پراٹھے پکا رہی تھیں۔ شکور کباب لانے چلا گیا تھا۔ اس نے رضیہ کے ساتھ مل کر زعفر تیار کیا اور جب کباب آگئے تب کھانا باہر بھجوا دیا۔ پھر وہ سب باورچی خانے ہی میں بوریے پر سب کے ساتھ کھانے بیٹھ گئی۔

محمد عمر صاحب، سید صاحب کے بہت قدیم اور واحد دوست تھے۔ ان میں کوئی راز راز نہیں تھا۔ کھانے پر ان میں باتیں ہونے لگیں۔ عمر صاحب نے کہا۔

"تمھیں محسن صاحب کی نالائقی نے صدمہ پہنچایا ہے۔ مگر میں تو کہتا ہوں کہ بہت اچھا ہوا۔ منگنی سے پہلے موصوف کے جوہر کھل گئے۔ ورنہ کیا معلوم کیسی لڑکی کی جان ضیق میں پھنستی۔"

"تعجب ہے صاحب! جب سے وہ لوگ گئے ہیں چار سطروں کا ایک خط تک نہیں لکھا۔ ایسی بھی کیا؛ شمی تھی۔ ناخلفی اگر کی تو ان کے لڑکے نے کی ہم نے کیا کیا تھا؟"

"ارے بھئی بھول جاؤ یہ قصہ۔ تم نے سوچ سوچ کر صحت برباد کی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھاری پسلی کی ہڈیاں ابھر آئی ہیں۔ بالوں میں زیادہ سفیدی آچلی ہے اور پیشانی پر لکیروں کا جال گہرا ہو گیا ہے۔ کیا اسی طرح بچّوں کا خیال کیا جاتا ہے کہ انھیں پریشانی میں مبتلا کر دیا جائے۔"

"محمد بھائی! تم نہیں سمجھتے! سحابی کا بائیسواں سال ہے۔" سیٹھ صاحب نے کہا۔ "اس کی شادی اب سے دو تین برس قبل ہی ہو جانی چاہئے تھی۔ مگر خدا معلوم اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ جو پیغام آئے انھیں جیسے شیطان نے انگلی دکھا دی۔ یوں گئے کہ پھر نہ خبر نہ خیر۔ میں لڑکی کا باپ بن کر گناہ گار ہو گیا ہوں۔ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا یہ تک نہیں کہہ سکتا کہ مجھے جوان لڑکی کی فکر نے نیم جان کر رکھا ہے۔ میرا حلقۂ احباب بھی کچھ نہیں کہ دوست سے دوست بات بڑھتی۔ لے دے کے بس تم ہی ہو۔ سو تم بھی یہ بات منہ سے نہیں نکال سکتے۔ سحابی جیسی میری بچّی ویسی تمھاری۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ براہ کرم میری بچّی سے عقد فرما لیجئے۔ اس کی عمر بڑھتی جارہی ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ کیسی مایوسی کی باتیں کرنے لگے ہو۔ اس کی عمر نہیں بڑھ رہی ہے تمھاری دو بہنوں کی شادیاں پچیس پچیس برس کی عمروں میں ہوئیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے آج کل میں دیکھ رہا ہوں۔ تعلیم کے چکّر میں عمریں یوں بھی بڑھ ہی جاتی ہیں۔ تم نے خواہ مخواہ ایک مفروضہ اپنی نظروں پر مسلّط کر رکھا ہے اور گھُلے جا رہے ہو۔ بھئی اس سلسلے میں نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ میں۔ جو کچھ کرے گا خدا کرے گا اور اچھا کرے گا۔ اسی پر بھروسہ کرو۔ اس کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"مجھے وحشت ہوتی ہے محمد بھائی! جب یہ سوچتا ہوں کہ کہیں سحابی اپنی بے قدری کو محسوس نہ کرنے لگے۔"

"تم یوں پریشان اور خود رفتہ اور مغموم رہو گے تو وہ قطعی محسوس کرنے لگے

گی ۔ اب تک تو شاید نہ کرتی ہو ۔ اور محسوس کرنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے ۔ شادی بیاہ ہمیشہ اپنے وقت پر ہوتی ہے ۔۔ انشاءاللہ میں اپنے دفتر کے ساتھیوں سے تذکرہ کروں گا ۔"

"خبردار! اس سلسلے میں میرا نام نہ لینا ۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو ۔"

"بس میں کھا چکا ۔"

"کچھ تو اور کھاتے ۔ کیا زعفرا اچھا نہیں پکا ؟ "

"معمول سے زیادہ کھا لیا ہے ۔ تم نے البتہ کچھ نہیں کھایا ۔"

"بھوک ہی بند ہو گئی ہے ۔ میں خود فکرمند ہوں ۔ ہزار چاہتا ہوں کہ پہلے کی سی خوراک ہو جائے مگر دو تین نوالے کھاتا ہوں اور پھر کھانا واپس حلق تک آنے لگتا ہے ۔"

"ڈاکٹر سے مشورہ لو ۔ یہ لاپروائی صحت کی جانب سے اچھی نہیں ۔ شام کو آجاؤں گا ۔ میرے ساتھ کرنل اختر کے پاس چلنا ۔"

"نہیں اب ایسا بھی مرض نہیں ... حکیم محمد عثمان صاحب سے مل آؤں گا ۔"

"ہرگز نہیں ۔ میں شام کو آؤں گا ۔ لے چلوں گا تمہیں اپنے ساتھ ۔ تیار رہنا ۔"

کھانے دانے سے فارغ ہو کر جب محمد عمر صاحب چلے گئے تو سید صاحب اندر آئے ۔ رضیہ کو شاباشی دی اور دو روپے انعام کے طور پر دیے ۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور بولی :

"صاحب! مجھے تو پکانے سے بالکل دلچسپی نہیں رہی ۔" رضیہ نے موقع سے اٹھنی گھرا

"واہ بیٹی! یہ تو لڑکیوں کا پہلا فرض ہے ۔"

"وہ تو ہے صاحب! مگر آپ اچھی طرح سے کھاتے نہیں ۔ پہلے آپ اتنا کم نہیں

کھاتے تھے۔ اب آپ ہمیشہ کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں اور آپ کی بھوک پیاس سب بند ہو گئی ہے۔"

سید صاحب فکرمند سے ہو گئے۔ جب رضیہ نے بھانپ لیا تو یقیناً سحابی نے بھی کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا ہی ہوگا۔ وہ اوپری دل سے ہنسے۔

"یہ تمھارا وہم ہے بیٹی! اس وقت ہم نے خوب ڈٹ کے کھایا ہے۔ بہت لذیذ کھانا تھا۔"

"نہیں صاحب! میں نہیں ماننے کی۔ رات کو میں نے دیکھا آپ ہاتھ پیچھے باندھے ٹہل رہے تھے۔ دس تو جب ہی بج گئے تھے۔ پتہ نہیں آپ کب سوئے۔"

"اچھا بھئی یہی سہی۔" وہ اس کی محبت سے متاثر ہونے لگے۔ "تم ہی بتاؤ جس کے سامنے دو لڑکیاں ہوں۔ وہ باپ بے فکری کی نیند کیسے سوئے۔"

"صاحب!" رضیہ بری طرح شرما گئی۔ سید صاحب ہنس پڑے۔ "پیاری چائے کہاں ہے لے آؤ۔ پھر ہم جائیں گے مسجد۔" رضیہ بھاگ گئی۔ سحابی مشین پر بیٹھی کچھ سی رہی تھی۔ رضیہ چلی گئی تو اس نے مشین کا سوئچ آف کر دیا۔

"تمھاری سہیلیوں میں سے اب بہت دنوں سے کوئی لڑکی نہیں آئی۔"

"جی ہاں، نگار تو چلی گئی ہے ریاض بھائی کے ساتھ ناگپور۔ ریاض بھائی وہیں ایڈ منسٹریشن کرتے ہیں۔ نجمہ شاکرہ وغیرہ خود ملازمت کر رہی ہیں۔ انھیں بھی فرصت نہیں ملتی۔ کنک مجھ سے خفا ہو گئی ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ میں بھی ملازمت کرتی۔ میں نے نہیں کی۔"

"بیٹی! تمھاری کیا مصروفیات رہتی ہیں؟"

"پچھلے ہفتے شوپنگ کی تھی ابی! اپنے اور رضیہ کے بہت سے کپڑے لے آئی ہوں۔ وہی سیتی رہتی ہوں۔ حلیمن بوا نے ململ کے کرتے سینے کو دیے ہیں۔

بس اسی مصروفیت میں دن گزر جاتا ہے"

"بہت دنوں سے کچھ نئی کتابیں نہیں لائیں"

"لاتی تو ابّی بہت ہے۔ مگر آج کل کے ناول بکواس ہونے لگے ہیں۔ مجھے تو کوئی معقول لکھنے والا نظر نہیں آتا۔ لکھنے والوں کے پاس موضوع بھی نہیں رہے۔ کیا لکھیں؛ آم گھانس گھسیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اُن میں جی بھی نہیں لگتا"

"یہ تو تم بہت ٹھیک کہتی ہو۔ فضول کتابیں پڑھ کر اخلاق تباہ کرنے سے یہی بہتر ہے کہ انسان مطالعہ ترک کر دے۔ کیا قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی اور کرشن چندر اب کچھ نہیں لکھ رہے ہیں؟"

"تھوڑا بہت لکھ تو رہے ہیں ابّی! مگر وہ اپنی بہترین کاوشوں کا نچوڑ بہت پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اب وہ لوگ چاہیں بھی تو پہلے کی طرح نہیں لکھ سکتے۔ ویسے بازار میں بے شمار نئے نئے ناولوں کے ڈھیر ہیں۔ سب کا موضوع ایک سب کی تحریر ایک۔ بعض کچھ بہتر، کچھ بدتر جو مطالعہ اور ذوق کی صحیح معنوں میں تشنگی نہیں بجھاتے... میں تو نذیر احمد اور یہ یم حیدر کو پڑھا کرتی ہوں ابّی! یہ دو مصنّف تا قیامت پرانے نہیں ہوتے"

"بیٹی! تمھاری تنقید ایسی صالح ہوتی ہے تم خود لکھنے کی کوشش کرو۔ اچھے سے اچھے رسالے میں چھپ جاؤ گی"

"ابّی! مجھے فرسودہ محبت کی کہانیاں پسند نہیں۔ اخلاقی کہانیوں کا معیار اور مارکیٹ نہیں۔ بتائیے میں کیا لکھوں؟"

سیّد صاحب ہنسنے لگے۔ "بہرحال یہ مشغلہ سوزن کاری کا بھی اچھا ہے۔ کم از کم ہاتھ ہی صاف ہو جائے گا۔ لیکن کچھ نہ کچھ تفریح بہرحال بھی ضروری ہے رضیہ کے ساتھ ہفتے میں ایک بار ضرور کوئی فلم دیکھ آیا کرو"

رضیہ چائے لائی اور پھر شارب بھی بچّوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ گھر میں اودھم مچنے لگا۔ بچّی کو بھی شاکرہ لے آیا۔ سیّد صاحب چائے پی کر چلے گئے۔ شارب کھانے کے لیے غل مچانے لگا۔ رضیہ بچّی کے لیے دودھ لے آئی۔ ماحول جاندار ہو گیا۔

"دیکھا بی بی! میں نہ کہتی تھی کہ کوئی بات ہے" رضیہ نے کہا "آخر صاحب نے دل کی بات زبان سے کہہ دی"

"تمھارا نام تو انھوں نے لیا رضیہ! اصلی فکر تو میری ہے" سحابی نے کہا۔

"کیا بات ہے بجیا؟" شارب نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، تم کھانا کھاؤ" سحابی نے ٹال دیا۔

"تم بولو رضیہ بیگم! تم تو ہماری رازدار ہونا!" شارب نے کہا اور اس کے ڈوپٹے کا آنچل پکڑ لیا۔

"اچھا میں آپ کی رازدار کب سے ہو گئی" رضیہ نے تیکھے تیوروں سے اسے گھورا۔

"کوئی ایک راز ہو تو کہوں بھی" شارب ڈھٹائی سے بولا۔ رضیہ نے اس کے ہاتھ سے ڈوپٹہ کھینچا اور بڑبڑاتی ہوئی چل دی۔

"میں دیکھتی ہوں شارب! تم ضرورت سے زیادہ رضیہ کو چھیڑنے لگے ہو" سحابی بولی۔

"اب ضرورت کے مطابق چھیڑا کروں گا" شارب ہنسنے لگا "مگر بجیا! تم نے بات اڑا دی"

"سنو شارب! رضیہ اپنے یہاں امانت ہے۔ اس کی دل شکنی نہ کیا کرو" سحابی نے نصیحت کی "ابّی اس چیز کا نہایت خیال رکھتے ہیں کہ اس کا دل نہ دکھے"

"بجو! وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں؟" شارب نے جینی کے گھنے گھنگھریالے بالوں میں ہونٹ چھپا کر کہا۔

"کیا؟"

"اس کے ماں باپ بھی دیکھے بھالے تھے۔ بجیا! وہ بھی تو سید میاں ہی کہلاتے تھے"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو شارب؟ میں کچھ بھی نہیں سمجھی"

"مطلب یہی ہے بجیا! کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ ایک خدا، ایک قرآن کے ماننے والے، ایک نبیؐ کی امت۔ ہم میں کوئی اونچا ہے نہ نیچا۔ پھر اگر میں رضیہ کو پسند کرتا ہوں تو تم اتنی متحیر اور پریشان کیوں ہو رہی ہو؟"

"تو کیا ــــــ؟" سحابی کے ہاتھوں سے بے بی پھسلنے لگی۔

"بجو! تم تو اُسے چھوٹی بہن کہتی ہو، سمجھتی بھی ہو۔ وہ تمھارے ساتھ کھاتی پیتی ہے، تمھارے ساتھ سوتی ہے، تمھاری کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں بجیا! کیا یہ سب دکھاوا ہے؟ کیا دل میں تم بھی اسے ملازمہ سمجھتی ہو؟ بولو بجو۔ بولو نا!۔ اگر تمھارا ظاہر و باطن الگ الگ ہے تو پھر میں قسم کھاتا ہوں کہ پھر کبھی رضیہ کا نام نہیں لوں گا"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم"

"بجیا! اگر رضیہ ہمارے مختصر سے خاندان میں شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

سحابی دم بخود شارب کو تکتی رہ گئی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد فاران کا ملازم آیا اور کہا کہ بڑے سرکار نے بچوں کو بلایا ہے سحابی کا دل اچاٹ ہو رہا تھا۔ اس نے بچوں کے بسورنے یا گڑگڑانے کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور اپنے کمرے میں آکر کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے پریشانی میں یہ بھی نہیں دیکھا کہ فاران اپنے برآمدے سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

کیا شارب کا دماغ خراب ہو گیا ہے ؛ وہ چپکے چپکے اپنی پیشانی دبانے لگی۔ پتہ نہیں کب سے وہ اس خیال کو اپنے دل میں پال رہا ہے ؛ رضیہ کو خبر ہے کہ نہیں ؛ ابّی سنیں گے تو کیا سمجھیں گے ؛ شارب یک بیک اتنا دلیر اور گستاخ کیسے ہو گیا ؛ وہ تو اسے بہت لا اُبالی اور کھلنڈرا لڑکا سمجھتی تھی وہ کتنا نڈر اور مکمل مرد معلوم ہو رہا تھا۔

دفعتہً کوئی نرم اسفنج کا بھیگا ہوا ٹکڑا اس کے سر سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ سحابی کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ سر جھکا کر دیکھنے لگی۔ بڑا سا سرخ رنگ کا خوشنما گلاب کا پھول تھا۔ اس کے کان میں ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ سر اٹھا کر اس نے فاران کو دیکھا اور آگ بگولہ ہو گئی۔

"تسلیمات عرض کرتا ہوں"

"خدا کرے کہ تم مر جاؤ!" اس نے پھول اٹھایا، اس کی ساری پتیاں الگ الگ کر کے ہوا میں اچھال دیں۔ اور کھٹاک سے کھڑکی بند کر کے پلنگ پر آ بیٹھی۔ غصے کی شدت سے سانس پھولنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ سید صاحب یا شارب سے فاران کی بدمعاشی کی کہانی کہنا پڑے گی۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور خطرناک شرارت کر گزرے۔

اس کا دماغ پراگندہ ہو رہا تھا۔ ایک تو ذہنی فکر، دوسرے فاران کی متواتر گستاخی اور تیسری شارب کی گستاخی اور جسارت۔ جس کا اسے وہم و گمان میں بھی خیال نہیں تھا۔ وہ گہری فکر میں کھو گئی۔

---

حسبِ وعدہ شام کو محمد عمر صاحب آ دھمکے۔ سید صاحب تو بھول ہی گئے تھے، لیٹے اخبار پڑھ رہے تھے۔ شارب بھی تھا۔ اس نے جب سُنا کہ ابّی کرنل اختر کے یہاں جا رہے ہیں تو سراسیمہ ہو گیا۔

"میں بھی چلوں گا۔ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" وہ باری باری دونوں کو تکتا ہوا بولا۔

"نہیں بیٹے! تم سے چھپانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم بس "چیک اپ" کرا کے آئے جاتے ہیں۔" لیکن وہ کہاں مانتا۔ وہ لوگ کار میں بیٹھے، شارب نے تعاقب کے انداز میں اپنا اسکوٹر ان کے پیچھے لگا رکھا تھا۔

کرنل اختر دونوں کے مشترکہ دوست تھے۔ انھیں فیملی ڈاکٹر ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ اپنے سب مریضوں کو نمٹا کر انھوں نے نہایت غور و خوض سے سید صاحب کا معائنہ کیا اور بہت تشویش سے ان کی شکل تکنے لگے۔

"کیا بات ہے؟ ..." عمر صاحب گھبرا گئے۔

"آپ نے ایسا کون سا صدمہ جھیلا ہے جس نے آپ کی رگوں کا خون خشک کر ڈالا ہے۔ دل کی رگوں میں خون ڈھنگ سے پمپنگ نہیں کر رہا ہے۔ اگر احتیاط نہ برتی تو یقیناً ہارٹ اٹیک کا اندیشہ ہے۔"

سید صاحب نے رخ پھیر کر شارب کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"کیا فضول بکنے لگے ہو۔" عمر صاحب نے انھیں ڈانٹا۔ [illegible]

"میرا اصول ہے اختر بھائی!" کرنل صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اپنے مریضوں سے ان کا مرض چھپاتا نہیں۔ صاف صاف کہہ دیتا ہوں۔ تاکہ بیمار اور معالج آپس میں تعاون کرکے مرض کو دور کرنے کی کوشش کریں... میری تشخیص غلط نہیں ہے بھوک کا نہ لگنا اور سانس پھولنا اچھی علامت نہیں ہے۔ آپ خود کو بے فکر اور ہشاش بشاش رکھنے کی کوشش کیجئے۔ میں نسخہ لکھے دیتا ہوں۔ اگر پابندی سے استعمال کیجئے گا تو خطرہ دور ہو جائے گا۔"

وہ اپنی میز کی طرف گئے اور سر جھکا کر نسخہ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔

"تم نے ہمیں ڈرا دیا اختر بھائی" سید صاحب ہنسے "یقین کرو کہ یہ سب کیفیت عارضی ہے۔ اکثر طبیعت کی سستی سے کھانا نہیں کھایا جاتا۔ سانس پھولنے کا مرض تو برسوں سے ہے۔ فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں... ہم احتیاطاً آپ کا نسخہ استعمال کریں گے۔ مگر۔"

"مگر نہ اگر۔" کرنل صاحب نے انھیں ڈانٹ دیا۔ "تمھیں میرے کہنے پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ زبردستی ہاسپیٹل یا نرسنگ ہوم میں داخل کرادونگا"

سید صاحب شارب کی حوصلہ افزائی کے لیے ہنسے اور ہاتھ بڑھا کر نسخہ لے لیا۔

اس کے بعد شارب وہاں نہیں ٹھہرا۔ ان کی روانگی سے قبل اسکوٹر سنبھال کر چلا گیا۔

سب سے پہلے اسے رضیہ ملی اور شارب کا چہرہ اترا دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ اس کے دلکش چہرے پر آج تبسم کے بجائے اداسی کا غلاف منڈھا ہوا تھا۔

"کیا ہوا بھیا؟ صاحب کہاں گئے ہیں اور کیوں گئے ہیں؟"

"کچھ نہیں رضیہ! جاؤ تم اپنا کام کرو" اس نے کہا اور مضمحل قدموں سے کمرے کی طرف چلا گیا۔ رضیہ دوڑی گئی اور اس نے پوری بات سمانی سے

کہہ دی۔ اس کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔

"تمھیں کیسے معلوم کہ ابّی عمر چچا کے ساتھ دواخانے گئے ہیں؟"

"سنی تھیں اُن کی باتیں۔"

"سحابی شارب کے کمرے کی طرف دوڑی۔ وہ لباس تبدیل کیے اور جوتے اُتارے بغیر صوفے پر لیٹا تھا۔ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چھت کو گھور رہا تھا سحابی آندھی طوفان کی طرح پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئی اور تی پائی سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچی۔

"ابّی کو کیا ہوا شارب؟" اُس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔

شارب نے طویل سانس لی اور اٹھ بیٹھا۔ اس کا چہرہ اس کی قلبی اذیت کی غمازی کر رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ چپ چاپ بیٹھا فرش کے نقش و نگار کو گھورتا رہا۔

"مجھ سے تو ابّی نے کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ سنبھل کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"مجھ سے بھی نہیں کہا۔" شارب نے بھاری گلوگیر آواز میں کہا۔

"مگر ہوا کیا ہے ابّی کو؟" وہ بیقرار ہو کر چیخ پڑی۔

"کیا بتاؤں بجیا! ابّی نے اپنا مرض پالا ہے۔ میں پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ ان کی فکر پریشانی اور متواتر صدمے رنگ ضرور لائیں گے۔" یہ کہہ کر اس نے کرنل صاحب کا اندیشہ سحابی کے سامنے دہرا دیا۔ وہ بے چاری سفید پڑ گئی۔

"اب کیا ہوگا شارب؟ میں تو مر جاؤں گی۔ ابّی کی خفیف سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو بجیا!" شارب نے اس کی کلائی جکڑ لی اور وحشی نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ "تم مرنے کا تذکرہ کر رہی ہو۔ مجھ سے پوچھو کہ میں کرنل صاحب کی زبانی مرض کی تفصیل سن کر مر کیوں نہ گیا۔ بجیا میری پنڈلیوں میں

سنسنی سی ہونے لگی تھی۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں طوفان کی طرح اسکوٹر بھگاتا ہوا آیا ہوں۔ اب بھی میرا دل پسلیوں میں ٹھوکریں مار رہا ہے۔ بہت برُے برُے وسوسے آ رہے ہیں۔ ستا رہے ہیں مجھے۔"

"ہائے کاش! آج امی زندہ ہوتیں۔" سحابی کے آنسو بہہ چلے۔

"تمھیں ہو کیا گیا ہے بی بی؟" دروازے سے رضیہ نے للکار کر انھیں ہوش دلایا۔ "اللہ پر نظر رکھو! کیا کوئی دنیا میں بیمار نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر لوگ رائی کا پربت بناتے ہیں۔ انھیں ہر مریض سکرات میں مبتلا نظر آتا ہے۔ میرے صاحب کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ اچھے خاصے ہیں۔ ہنستے بولتے آتے ہوں گے۔ کیا رو رو کر انھیں اس وہم میں گرفتار کر دو گی کہ وہ سچ مچ بیمار ہیں۔"

"رضیہ!" شارب نے بے حد پیار سے بے ساختہ پکارا۔ اور حوصلہ افزا نظروں سے اسے تکنے لگا۔ سحابی کا دل مطمئن ہو گیا۔ اس نے آنسو بھری آنکھیں اس کی طرف اٹھائیں اور اسی وقت کار رکنے کی آواز آئی۔

"ابی آ گئے۔" شارب کمرے سے نکل بھاگا۔ سحابی نے جلدی جلدی آنسو پونچھے اور چہرہ بے حد ہشاش بشاش بنا لیا۔ محمد عمر صاحب راستے میں اپنے گھر اتر گئے تھے۔ سید صاحب دوائیں خرید کر گھر آئے۔ حسب معمول وہ ذرا بھی بڑھا نظر آ رہے تھے۔ چہرے سے نہ تو تشویش کا اظہار ہو رہا تھا نہ وہ بیمار لگ رہے تھے۔ شیروانی اتار کر رضیہ کو تھما دی اور بیزار لہجے میں بولے "بی بی! تمھارے سر ایک اور ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ ہم تو بھول جائیں گے یاد کر کے ہمیں یہ دوائیں وقت پر کھلا دیا کرنا۔ لاحول ولاقوۃ۔ محمد بھائی کسی کی ایک نہیں سنتے۔ خود بھی پریشان ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گھبرا دیتے ہیں۔"

"ابی ..." ایک سسکاری سی سحابی کے لبوں پر مچلی۔

"کیا ہے بیٹی؟ کیوں گھبرا رہی ہو؟"

"ابی! آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں ہم قسم کھاتے ہیں ہمیں کچھ نہیں ہوا۔ طبیعت کی پستی اور خفیف سے اضمحلال کو اختر صاحب نے خوفناک مرض بنا دیا ہے۔ یہ ڈاکٹر حضرات کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"ابی! آپ کو بھوک نہیں لگتی نا؟" شارب بولا۔

"لگا کرے گی۔ یہ بھی کوئی پریشانی کی بات ہے۔ اچھا ہم جا رہے ہیں مسجد۔ رضیہ بیٹی! تم چائے تیار رکھنا!"

"صاحب! چائے تو نہیں دوں گی۔ آپ آج سے وٹیا پئیں گے۔" رضیہ نے کہا۔ اس کے تحکمانہ لہجے پر انھیں ہنسی آ گئی۔ دواؤں کا پیکٹ سحابی کو تھما کر وہ باہر ہی سے مسجد چلے گئے۔

"خدا کی پناہ! سچ مچ ڈاکٹر تنکے کا اژدہا بنا دیتے ہیں۔ ماشاءاللہ ابی ہر طرح صحت مند ہیں۔ میں تو مرنے ہی لگا تھا۔" شارب نے کہا اور اطمینان کی گہری سانس لے کر بولا۔ "اچھا میں بھی شکرانے کی نماز پڑھ آؤں۔" وہ مسجد چلا گیا۔

مگر سحابی کے چہرے سے فکر کی لکیریں نہ مٹ سکیں۔

وہ اپنے کمرے میں آئی اور ٹیبل لیمپ آن کر کے کنگ من موہن کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ نگار کے بعد وہی اس کی گہری دوست رہ گئی تھی۔ اس نے کوئی بات اس میں لکھنے سے چھوڑی نہیں۔ پھر بڑی تفصیل سے اپنے بدمعاش پردیسی کا بھی تذکرہ کیا اور شاکر کو دیا کہ ابھی اور اسی وقت پوسٹ کر آئے۔ سردی تیز تھی شاکر مفلر لپیٹ کر گھر سے نکلا اور سنسان سڑک پر ہو لیا۔ موڑ پر اسے اتفاقاً داراں مل گئے۔ شاکر کو وہ انعام اکرام دیتے رہتے تھے۔ اس نے بہت خاکساری

سے دانت نکال کر انھیں سلام کیا۔

"کیوں بھئی! کیا سکنڈ شو کا ارادہ ہے؟" فاران نے ہنستے ہوئے پوچھا

"جی۔ جی جی... نہیں سرکار۔" شاکر گڑگڑایا "سکنڈ شو میں کہاں جاتا ہوں۔ ابھی گھر میں اتنا بہت سا کام پڑا ہوا ہے۔ بی بی نے خط دیا تھا۔ وہی ڈبے میں ڈالنے جا رہا ہوں"

"اُفوہ! وہ ڈبہ تو بہت دور لگا ہوا ہے" فاران نے کہا "وہاں تک جاتے ہوئے تم تو آئس کریم بن جاؤ گے"

"جی صاحب! سردی تو بہت ہے۔ آپ کیسے گھر سے نکلے"

"کوئی ملنے والے آگئے تھے۔ انھیں چھوڑنے گیا تھا۔ فاران نے کہا پھر بولے

"اچھا بھئی! سنو اگر مجھ پہ بھروسہ کرتے ہو تو لاؤ وہ خط مجھے دے دو۔ صبح کو کالج جاتے جاتے پوسٹ کر دوں گا۔ تم اتنی دور کہاں جاؤ گے؟ یا اگر بھروسہ نہ ہو تو کوئی بات نہیں جاؤ"

"واہ حضور! آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ مگر ڈال ضرور دیجیے گا۔ ورنہ بی بی کو غصہ آتا ہے تو وہ کان کھینچ لیتی ہیں"

فاران نے ہنستے ہوئے کہا "خوب" اور ہاتھ بڑھا کر خط لے لیا۔ شاکر انھیں غیر نہیں سمجھتا تھا۔ وہ خود اس کے صاحب کے پاس آتے تھے۔ ان کی شاہ میاں سے گاڑھی چھنتی تھی۔ ان کے بچے دن بھر اس کی بی بی کے پاس کھیلا کرتے تھے۔ بھلا اُسے گمان کیسے ہوتا کہ فاران صاحب ایک خط تک نہیں ڈال سکتے وہ ان کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے اسی موڑ سے گھر واپس چلا گیا اور سحابی سے کہہ دیا کہ خط اُس نے ڈبے میں ڈال دیا ہے۔

ساری رات سحابی نے جاگ کر گزار دی۔ رہ رہ کر اس کا دل دھڑکتا اور

وہ سید صاحب کو دیکھ آتی۔ شارب تو سو گیا۔ مگر رضیہ اس کے ساتھ ساری رات جاگا کی۔ اس کی خدمت، خلوص اور محبت نے سحابی کو حد سے زیادہ متاثر کیا
"بی بی! تم سو جاؤ" وہ سحابی کی سرخ آنکھیں دیکھتی تھی اور اسے مجبور کرتی تھی "میں جاگتی رہوں گی۔ تم نے کیوں برے خیالوں کو دل میں جگہ دی ہے۔ اللہ کے کرم سے صاحب آرام سے سو رہے ہیں۔ الحمد للہ کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ اور کچھ ہو گا بھی نہیں۔ کیوں ان کا برا چیت رہی ہو بی بی!"
"رضیہ! تو مجھے بہت چاہتی ہے بہن!" سحابی نے محبت پاش لہجے میں کہا۔
"مجھے نہیں معلوم بی بی کہ محبت کیا چیز ہے: میں تمھارے لیے، سب کے لیے اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔ مجھے بس اتنا معلوم ہے۔ اب چاہو تو اسے محبت کہہ لو"
"شارب کے لیے بھی:" سحابی نے مسکرا کر پوچھا۔
"ہاں ہاں، بی بی! ان کے لیے بھی" رضیہ جھجکے بغیر بولی "تم سب میرا ایک جسم ہو۔ کوئی آنکھ ہے، کوئی ناک۔ میں کسی کا درد بھی برداشت نہیں کر سکتی"
"رضیہ! تم جیسی بھی ہو بہت اچھی ہو"
"ہوں گی۔ اب تم سو جاؤ۔ اللہ کی پناہ دن بھر پریشان رہی ہو۔ جاؤ لیٹو بستر پر"
"تم بھی تو صبح فجر کے وقت سے لے کر اس وقت تک مشین کی طرح کام کرتی ہو۔ کیا تم نہیں تھکیں؟"
"تم میں اور مجھ میں بڑا فرق ہے بی بی!"

"کیا فرق ہے؟ کیا میرے دو سر، چار آنکھیں اور آٹھ ہاتھ پاؤں ہیں۔"

وہ ہنسنے لگی۔ "نہیں بی بی! اللہ نے اپنے بندوں کو طبقوں میں بانٹ دیا ہے ایک آدمی گرمی کی دھوپ میں ننگے بدن پتھر ڈھوتا ہے۔ دوسرا آدمی ٹھنڈے کمرے میں خس کی ٹٹیوں اور پنکھوں کے درمیان آرام کرتا ہے۔ بتاؤ ان میں کیا فرق ہے۔ آدمی تو دونوں ہیں نا؟"

"تمہارا یہ سوال تو ہم بھی نہیں حل کر سکتے" سجانی بھی ہنسنے لگی۔ "تمہیں بتاؤ کیا فرق ہے دونوں میں؟"

"بی بی! روپیہ آدمی کو خانوں میں بانٹ دیتا ہے۔ کوئی آقا بنتا ہے کوئی خادم امیر اگر پیتل کے زیور پہن لے تو لوگ اُسے بھی سونا ہی سمجھتے ہیں۔ اور غریب اگر سچ مچ سونا پہنے تو وہ بھی پیتل سمجھا جاتا ہے۔ اب سمجھیں فرق؟ یہی جو تم میں اور مجھ میں ہے"

"واہ کیا اچھی قدر کی ہے میری محبت کی" سجانی برا مان گئی "میں تو حاشا وکلا تمہیں اپنے سے کم نہیں سمجھتی۔ آدمی آدمی سب برابر ہیں"

"ہاں بی بی، پھول پھول سب برابر ہیں مگر ان کے نصیب جدا جدا ہیں کوئی سہرے کی لڑیوں میں پروئے جاتے ہیں کوئی قبر کی چادر میں"

"اف پگلی! میں نہیں سمجھی تھی کہ تم ایسی بقراط ہو۔ بکواس بند کر دو تو بہتر ہے۔ ورنہ میں وہ چار چوٹ کی مار ماروں گی کہ فرق بخوبی واضح ہو جائے گا" رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی اور ٹرانسفارمر آن کر دیا۔

"لو اب پڑ کے سوؤ بی بی۔ اچھے اچھے خواب دیکھو"

"ادھر آؤ ایک ضروری بات سنو!" سجانی بولی۔ جب رضیہ پاس آئی تو سجانی نے اس کا ہاتھ تھام کر اُسے اپنے اوپر گرا لیا اور اُسے اپنے پہلو میں دبوچ

کر بولی "ایک بات کہوں۔ کھاؤ میری قسم کہ جھوٹ نہ بولو گی"

رضیہ پر بے ساختہ ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ سحابی کی گدگدیوں سے بے حال ہو کر قسم کھائی اور پھولی سانسوں میں بولی "جھوٹ نہیں بولوں گی۔ ایمان سے۔ اب گدگدی نہ کرنا"

"تجھے میرا بھیا کیسا لگتا ہے؟"

"کیا؟" وہ تعجب سے ساکت ہو گئی۔

"تو بہت اچھی ہے میری بہن! میری بھابی بن جا۔ میرا بھیا تجھے بہت چاہتا ہے۔ رضیہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں جو میں تجھے تیری محبت کے بدلے دے سکوں۔ میری ہو جا۔ رضیہ مجھے اپنا لے۔ تجھے میری قسم۔ مجھے بی بی کہہ کر پکارنا چھوڑ دے۔ بھیا کہہ کے پکار"

"اللہ" رضیہ کے لبوں سے نکلا اور اس نے سحابی کے گلے میں چہرہ چھپا لیا۔

فاران نے گھر کا آخری راؤنڈ لگایا، سوئے ہوئے بچوں پر ایک نظر ڈالی اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ پھر کرسی پر آ بیٹھا۔ بہت گہرا نیلا ٹیبل لیمپ آن کیا۔ اور جیب سے سحابی کا خط نکال کر پڑھنے لگا۔ ان کے عنابی لبوں پر دلکش اور شریر مسکراہٹ طاری رہی۔

"ڈیر کنگ!

لوگ کسی خطا اور قصور پر خفا ہو جاتے ہیں مگر تم تو یونہی بے وجہ خفا ہو گئے ہو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے اگر ملازمت نہیں کی تو اس میں تمہاری ناراضی کی کیا بات ہے۔ اس کی بھی ایک وجہ ہے جو میں تم سے ابھی کہوں گی۔

کنگ! میں مصیبتوں کے سمندر میں گھری ہوں۔ کوئی نہیں جو مجھے گرداب سے

سے نجات دے۔ نگار اپنے میاں کے ساتھ چل دی۔ بڑی بے وفا نکلی۔ لے دے کے تم رہ گئی ہو تو ایسی بے مروت ہو رہی ہو۔ خیر۔ میری یہ داستان سن کر تمھاری خفگی دور ہو جائے گی۔ اور تم سوچنے لگو گی کہ تم نے مجھ پر زیادتی کی۔

کنک! تم میری پرانی دوست ہو۔ کوئی بات تم سے پوشیدہ نہیں۔ اسی لیے آج میں اپنی پریشانیاں تمہارے سامنے رکھ کر تم سے مشورہ مانگتی ہوں۔ خدارا! جواب دینا ضرور کہ میں کیا کروں؟

میں تمہیں یہ لمبا چوڑا خط نہ لکھتی۔ اگر میں اپنے پیارے ابی کی طرف سے فکر مند نہ ہوتی۔ اپنی زندگی کو میں گھورے کچرے سے بہتر نہیں سمجھتی۔ مگر میں ابی کی خاطر جینا چاہتی ہوں، ہنسنا چاہتی ہوں۔ ابی میری وجہ سے بہت پریشان رہنے لگے ہیں۔ تم جانتی ہو کنک! کہ لڑکیوں کی یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ماں باپ اس کے سر پہ سہرا بندھا دیکھنا چاہتے ہیں۔ میری تو ماں نہیں ہے۔ صرف ابی رہ گئے ہیں جن کی یہ پہلی اور آخری خواہش رہ گئی ہے۔ لیکن میں ایسا نصیب کیوں لائی ہوں کہ میری زندگی پھیلنا ہوتے میں نہیں آتی۔ تین چار جگہ بات چلی اور انجام تک پہنچے بغیر درمیان ہی میں دم توڑ گئی۔ مجھے ہرگز اس بات کی پرواہ نہیں۔ میں ساری زندگی اپنے ابی کے قدموں میں گزار دینا چاہتی ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ میری زندگی میری فکر ابی کے لیے جان جوکھوں کا معاملہ بن جائے۔ وہ آج کل بہت گھبرائے ہوئے رہنے لگے ہیں۔ جب سے محسن کا بچہ جان چھڑا کر بھاگا ہے وہ بے حد نروس ہو گئے ہیں۔ مجھے انتہائی خوشی ہوئی تھی کہ محسن سے میری جان چھٹی۔ وہ مجھے بالکل پسند نہیں تھے۔ ان کی گفتگو تہذیب کے دائرے سے باہر ہوتی تھی۔ وہ مجھ سے چھیڑ چھیڑ کر باتیں کرتے تھے اور مجھے بے حد شدید غصہ آتا تھا۔ مگر میں سب کچھ ابی کی خاطر گوارا کرتی تھی اور سوچتی

تھی کہ یہی تو ہی سہی - بلا سے - مجھ پر جو گزرے وہ گزرے مگر ابی کی چھاتی پر رکھا ہوا بوجھ تو کسی نہ کسی طرح سرک جائے - لیکن وہ بھی نہ ہوا - کنک!

تم اپنی بے جا خفگی چھوڑ دو اور کسی طرح میرے پاس آؤ - ابی کو سمجھاؤ کہ کون سی دنیا پلٹی جا رہی ہے - ایسے نروس نہ ہوں - آج نہ سہی کل سہی ان کے سینے کا بوجھ سرکے گا ضرور - میں تمہاری منتظر رہوں گی - خدارا آؤ کنک ایک ہی مرتبہ آؤ - جس طرح تم نے چکنی چپڑی باتیں کر کے میری سروس کے لیے ابی کو رضامند کر لیا تھا - اسی طرح اب بھی کہو وہ اپنی فکریں دور کریں - کنک! نہ وہ کھاتے پیتے ہیں نہ پہلے کی طرح ہنستے بولتے ہیں - آج وہ ڈاکٹر کرنل اختر کے پاس گئے تھے - انھوں نے نہایت وحشت ناک مرض تشخیص کیا ہے - کہ اگر ابی اسی طرح اندر اندر گھلتے رہے تو ہارٹ اٹیک ان سے دور نہیں ہے - بتاؤ! کنک! ہم بدنصیب سحابی اور شارب کا سوائے ابی کے اور کون ہے - چچا جان اور ماموں جان مڑ کر نہیں پوچھتے - چچی جان اور مامی کی نظریں ابی کی دولت پر ہیں - اگر.. اگر خدانخواستہ ابی کے کوئی ٹھیک ٹھاک دھکا لگا تو پھر ہم بدقسمتوں کا کون سہارا ہے : ہمیں تو ہمارے اپنے لوٹ لیں گے - اس لیے تم ابی کو سمجھاؤ کنک کہ وہ ہمارے لیے بہت ضروری ہیں - اپنے ہاتھوں اپنی بیماری نہ بلائیں - میں خود ہی کہہ دیتی - مگر مجھے بے حد شرم آتی ہے - میں تو ابی کے سامنے بھی نکلتے شرماتی ہوں - تم آؤ کنک! دیر نہ کرو!

رہی وہ بات کہ میں نے سروس کیوں نہ کی - اس کی بھی ایک وجہ ہے - ہمارے پڑوس میں ایک صاحب آ کر رہے ہیں - ہمارے باغ کے سامنے سبز رنگ کے خوشنما بنگلے کو تم نے بھی دیکھا ہو گا جس پر ڈارک گرین

بائیپنگ ہے۔ خیر۔ اس مکان کے مکین کوئی بڑے شریف زادے ہیں۔ انھوں
نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ دور ہی سے ہنسنے مسکرانے پر اکتفا کر لیتے تو صبر
کی جگہ تھی کہ مردوں کا یہ شعار ہی ہے۔ چاہے کتنے شریف ہوں، یہ ناممکن ہے کہ
سامنے کوئی لڑکی ہو اور اسے دیکھ کر کم بخت نہ مسکرائیں۔ یہاں تو یہ ٹریجڈی
ہے کہ ان حضرت کے تین تین بچے ہیں۔ مگر انھیں اپنے باپ ہونے کا بھی شعور نہیں
لطف یہ کہ یہی حضرت احسان احمد صاحب تمھارے پیر وائرز اور سکنڈ چانسلر ہیں
انھیں دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ پھر تم نے پوچھا تھا کہ انٹرویو
کیسا رہا۔ پگلی! انٹرویو کیسا۔ وہ طرح طرح کے اینڈے بینڈے سوال کرتے
رہے اور میں جل جل کے خاک ہوتی رہی۔ پھر چھوٹے نے تم سے کہا کہ میں نے
سوالات کے بہترین جواب دیے ہیں۔ بس کنک! صرف انھیں نامراد کی وجہ
سے میں نے سروس سے ہاتھ دھوئے۔ مگر تم یہ بات ہرگز ہرگز ان سے نہ کہنا
وہ میرے زیادہ دشمن ہو جائیں گے۔ نگار کی شادی کی بھری محفل سے
امی کی طرف سے فون کر کے جو مجھے دھوکے سے لے گئے تھے وہ بھی پیر وائرز
صاحب ہی تھے۔ میں نے امی یا شاداب سے ابھی تک نہیں کہا۔ انھیں کچھ
خبر نہیں۔ وہ تو ابا کے دست راست ہیں، شاداب کے سچے دوست ہیں
لیکن میرے بدترین دشمن ہیں۔ مجھے ان کی شکل سے بھی نفرت ہے۔ میں سوچتی
رہتی ہوں کنک! کہ اگر اس رات ان کے سر پہ شیطان سوار ہو جاتا تو آج
میں کون سے کنویں کی تہ میں ہوتی۔ اس پر بھی مجھے ان کے بچوں سے بے پناہ
محبت ہے۔ وہ تو معصوم ہیں۔ انھوں نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ کاش ایسے
ننھے دلیر باپ کے بچے نہ ہوتے۔ وہ صرف میرے ہوتے۔ اب ختم
کر رہی ہوں۔ تمھاری شدت سے منتظر، تمھاری صحابی

فاران نے خط بند کر کے میز کی ڈرار میں رکھ دیا اور سگریٹ سلگا کر دھوئیں کے چھلے بنانے لگے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ طاری تھی۔
"ہوں" انھوں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میرے بچے میرے نہ ہوتے ہوئے صرف امی کے ہوتے۔ عجیب منطق ہے۔" پھر انھوں نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں رکھا اور پیڈ اٹھا کر خط لکھنے لگے۔

سحابی سید صاحب کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ وہ لاکھ احتجاج کرتے۔ لیکن وہ ان سے روٹھنے کی دھمکی دے کر انھیں زبردستی آرام کرنے پر مجبور کرتی۔ رضیہ اس سے دو قدم آگے تھی۔ ایک موہوم خطرے کو واقعی بیماری بنا کر انھوں نے سید صاحب کو بستر سے چپکا دیا۔ شارب بھی کالج نہیں جا رہا تھا۔ گھر کا یہ رنگ دیکھ کر سید صاحب انگشت بدنداں رہ گئے۔
"کیا واقعی ہم بیمار ہیں؟... کیا تم لوگوں سے تنہائی میں ڈاکٹر نے کچھ کہا ہے" وہ حیران تھے۔
"ابی! آرام لینے میں حرج ہی کیا ہے" شارب بحث کرنے لگتا۔
"ابی احتیاط تو بہرحال کیجئے" سحابی بزرگوں کے انداز میں سمجھاتی۔
"صاحب! ہم آپ کی خدمت کرنے کو آمادہ ہیں۔ پھر آپ کیوں ہاتھ پاؤں ہلائیں" رضیہ بولتی۔
"خدا کی پناہ! اس طرح آرام کرتے کرتے تو میں سچ مچ بیمار پڑ جاؤں گا" وہ گھبرا کر بولتے "اللہ کے بندو! اتنی تو اجازت دے دو کہ مسجد تک چلا جایا کروں۔"

گھر پر نماز نہیں پڑھی جاتی "

"تھوڑے دن پیارے ابّی! تھوڑے دن" شارب ان کے پاؤں پڑنے لگتا۔" میں آپ کی طرف سے پانچوں وقت نماز پڑھ آیا کروں گا۔ بلکہ اپنی ساری نمازیں میں آپ کو دے دوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوئیے"

"کیا اللہ میاں مجبوری نہیں دیکھ رہے ہیں ابّی؟" سحابی کہتی۔

"بیٹی! کوئی مجبوری ہو بھی تو" وہ زچ ہو جاتے۔

"صاحب! جب تک آپ پہلے کی طرح خوب بہت سا کھانا نہ کھانے لگیں گے۔ میں آپ کو گھر سے باہر نہیں جانے دوں گی" رضیہ کہتی۔

"اچھا بھائی اچھا" بے چارے تھک ہار کر رہ گئے" جو کچھ تم لوگوں کی سمجھ میں آئے وہ کرو"

رضیہ انھیں ایسی پابندی سے دوائیں پلاتی کہ ادھر گھڑی کی سوئیاں مطلوبہ وقت پر پہنچیں اُدھر وہ دوا لیے پہنچ گئی۔ اپنا کھانا بھول جاتی تھی۔ مگر سید صاحب کو دوا دینا نہ بھولتی تھی۔ اس کی محبت، خدمت اور جاں نثاری کا سید صاحب کے دل پر خاص اثر تھا۔ وہ کچھ اور سوچنے لگے۔ رضیہ گھر کی بچی تھی۔ اس کے والد سید میاں کہلاتے تھے اور نہایت شرافت اور ایمانداری اور نمک حلالی سے ان کی خدمت کرتے ہوئے ختم ہوئے تھے۔ جب وہ مر گئے تو سید صاحب نے محسوس کیا تھا کہ ان کا زور بازو جاتا رہا۔ ان کی بیوی راحت بی ان ہی کی سی وفادار اور نمک حلال تھیں۔ وہ جب ختم ہوئیں تو رضیہ بمشکل پانچ برس کی ہوگی۔ وہ سید صاحب کے سامنے پیدا ہوئی تھی۔ اس کا ظاہر و باطن سب اُن پر عیاں تھا۔ وہ سوچنے لگے تھے کہ کیا حرج ہے اگر وہ ان کی بہو بن کر انھیں کے گھر میں رہے۔ لیکن یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے انھیں تکلف ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ شارب نئی روشنی کا پروردہ

تھا۔ اس کے خیالات مختلف ہو سکتے تھے۔ اگر وہ انکار کر دیتا تب؟ انھیں کیا خبر تھی کہ شارب بھی اسی نہج پر سوچ رہا تھا مگر کہتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ سید صاحب نے دل میں طے کر لیا تھا کہ شارب سے اس مسئلے پر گفتگو ضرور کریں گے۔۔۔ وہ رضیہ کو بہت چاہتے تھے اور جس طرح وہ ان کی جی جان سے خدمت کر رہی تھی اس نے تو سید صاحب کے خیال کو اور پختہ کر دیا تھا۔

روز عمر صاحب ان کی مزاج پرسی کو آیا کرتے تھے۔ اور اس شام حق ہمسائیگی ادا کرنے کے لیے فاران بھی آپہنچے۔ اتفاق سے سحابی اور رضیہ دونوں سید صاحب کے پاس بیٹھی تھیں سحابی سیبوں کا جوس نکال رہی تھی۔ رضیہ ان کے پاس بیٹھی ہاتھ سے چمچہ چمچہ کر کے دلیہ کھلا رہی تھی۔ تبھی فاران کی آمد کی اطلاع ملی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ دونوں لڑکیاں اپنا کام ادھورا چھوڑ کر بھاگ جاتیں یا فاران جیسے معزز ہمسایے کو اتنی دیر باہر انتظار کرنے کے لیے کہا جاتا۔ جبکہ ان کے احسانات بھی سید صاحب پر تھے انھوں نے فوراً انھیں اپنے پاس بلوا لیا۔ سحابی نے آنچل پیٹھ پر پھیلا کر رُخ پھیر لیا۔ رضیہ تو خیر ان کے پاس آتی جاتی ہی تھی۔

"تسلیمات عرض کرتا ہوں جناب!" وہ سید صاحب کے پائنتی کھڑے ہو کر تھوڑے سے جھکے۔ اُن کی یہ شریفانہ اور خاکسارانہ ادا سید صاحب کے دل میں گھر کر گئی۔

"آیئے میاں آیئے! زہے نصیب۔۔۔" سید صاحب خوش ہو گئے۔ "جیتے رہیئے۔ خوش رہیئے۔" انھوں نے خود ہاتھ بڑھا کر کرسی سرکانا چاہی۔ مگر فاران نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ "نہیں جناب! آپ تکلف سے کام نہ لیجئے۔ آرام سے لیٹے رہیئے۔ میں کرسی لیے لیتا ہوں۔" وہ ان کے پلنگ کے قریب بیٹھ گئے۔

"مجھے غفور سے معلوم ہوا کہ خدانخواستہ آپ کی طبیعت خراب ہے۔ کیا تکلیف ہے؟"

"بیٹے! تکلیف کچھ نہیں۔ سب اللہ کا فضل ہے۔" سید صاحب بے ساختہ ہنسے۔ "یہ ہمارے کرم فرماؤں کی مہربانی ہے۔ ایک صاحب نے زبردستی ڈاکٹر سے تشخیص کروائی اور بیماریاں دریافت کر لیں۔ ان حضرات نے ہاتھوں ہاتھ بستر پر لٹا دیا۔ اور اب تیمارداری ہو رہی ہے۔۔۔۔"

"نہیں نہیں جناب۔۔۔" فاران نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "ڈاکٹر کی تشخیص کو آپ لاپرواہی سے نہ ٹالیے۔ انھوں نے جو کچھ ہدایت کی ہے اس پر پورا پورا عمل ہونا چاہیے۔"

"فاران بھیا! صاحب کہتے ہیں کہ انھیں کچھ نہیں ہوا۔ مگر آپ ہی دیکھئے نا نہ تو ڈھنگ سے کھاتے ہیں، نہ پہلے کی طرح ہنستے بولتے ہیں۔ نہ جانے صاحب کو کیا فکر ہے۔ ہم سے کچھ کہتے بھی نہیں۔ رات گئے تک ٹہلتے رہتے ہیں۔۔۔ آپ ہی بولیے کیا اس طرح سوچتے سوچتے اور کم کھاتے کھاتے اللہ نہ کرے بیماری نہیں آئے گی۔"

"اس میں ساری خطا تمھاری ہے رضیہ بیگم!" فاران نے کہا۔

"ہائے اللہ میری خطا کیوں؟ فاران بھیا۔" رضیہ ہکا بکا رہ گئی۔

"اس لیے کہ تم اچھے اچھے کھانے نہیں پکاتیں۔ برے کھانے کس طرح پیٹ بھر کر کھائے جائیں۔" فاران نے کہا۔

رضیہ ہنسنے لگی۔ سید صاحب مسکرائے۔ سجا بھی بے خبری میں مسکرائی تھی پھر جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ فاران جیسے منافق کی بات پر ہنسی ہے وہ فوراً برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔

سید صاحب کی نظریں فاران کے قد و قامت پر نثار ہو رہی تھیں۔ کیسا اونچا پورا ڈیل ڈول تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چوڑے چکلے شانے، شاندار سینہ

چوڑی پیشانی، پرکشش چہرہ، گہری سیاہ آنکھیں، عنابی مضبوط ہونٹ، خوشنما مونچھوں
نے ان کی شان اور وقار میں بہت اضافہ کیا تھا۔ پھر ان کا خلوص مستزاد۔ یہ سوچ
کر سید صاحب رنجیدہ ہونے لگے کہ بے چارے کی بیوی مر چکی۔ ایسے ہونہار خوبصورت
نوجوان کی کیسی مٹی برباد ہو رہی ہے۔

"ڈیڈی بھی آ رہے تھے آپ کو دیکھنے۔" فاران نے کہا۔ "لیکن میں نے اُن
سے کہا کہ پہلے میں جناب کی مزاج پرسی کر آؤں۔ پھر وہ آئیں۔"

"بیٹے! ہم تو عرصے سے مشتاق ہیں ان کی ملاقات کے۔ اب فرضی بیماری کا بہانہ
سہی۔ اسی کو تقریب بہر ملاقات سمجھو۔ کب لا رہے ہو اپنے والد محترم کو۔۔؟"
سید صاحب نے بڑے خلوص سے کہا۔ رضیہ نے اچانک دخل دیا۔ "بی بی!
عرق نکال چکی ہو تو دے دو۔" سحابی جھنجھلا گئی۔ بڑی نانی اماں بنی ہوئی ابّی کے
پاس چپکی ہوئی اس پر حکم چلا رہی ہے۔ عرق تو وہ نکال ہی چکی تھی بھنا کر اٹھی اور
رضیہ کو گلاس تھما ہی رہی تھی کہ فاران نے کرسی سے اٹھ کر جلدی سے گلاس لے لیا
اور پھر سر خم کر کے کہا:

"آداب! محترمہ۔"

سید صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ آخر یہ سحابی اتنی بد اخلاق کیوں ہو گئی ہے
کہ اپنے سے بڑے کو سلام تک نہیں کرتی۔ یہ دیکھ کر وہ اور شرم سے پانی پانی ہوئے
کہ سحابی نے فاران کے آداب کا جواب بھی نہیں دیا۔ سحابی جل بھن کر خاک ہونے
لگی۔ سید صاحب نے جلدی سے پوچھا:

"میاں! آج بچوں کو نہیں بھیجا؟" کچھ تو فاران اس کی بد اخلاقی بھلا دے۔

"جی میں ضرور بھیجتا مگر خیال ہوا کہ پتہ نہیں آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ ان کا شور و
غل آپ کو ناگوار نہ گزرے۔ آپ یہ پی لیجئے۔" انھوں نے سہارا دے کر سید صاحب

کو اپنی بانہہ پر اُٹھایا اور گلاس ان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ سیّد صاحب ان کے خلوص سے متاثر ہو کر پگھلے جا رہے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے رومال سے سید صاحب کے لب پاک کیے اور بڑے آرام سے انھیں تکیے پر لٹا دیا۔ سید صاحب نے ایک زبان میں ہزاروں دعائیں دے دیں۔

"میں چائے لے کے ابھی آئی۔" رضیہ ہوا ہو گئی۔ اس کے پیچھے سحابی بھی چل دی۔

"شارب کہاں ہے؟" فاران نے پوچھا۔

"وہ بھی اسی چکر میں ہے۔ کوئی ٹانک لینے گیا ہو گا۔" سیّد صاحب بولے

"آپ کا دم لبا غنیمت ہے حضور!" فاران کی سعادت مندی کا کیا پوچھنا "خدا آپ کو چھوٹوں کے سر پر سلامت رکھے۔ آخر کیا سوچ سوچ کے آپ اتنے گھل گئے ہیں؟"

سیّد صاحب کا دل بھر آیا۔ دو منٹ خاموش رہے۔ پھر کھانس کر بولے۔ "میاں! تم اپنے ہو۔ بخدا میں اپنے بچے سے کم تمھیں نہیں سمجھتا۔ سب کچھ کہہ دیتا ہوں تم سے۔ اور یہ نہیں سوچتا کہ تم خود بھی حالات کے مارے ہوئے ہو۔ بہر حال، کیا بتاؤں بیٹا! تم پوچھ رہے ہو تو کہتا ہوں کہ آج کل کے زمانے میں جبکہ چاروں طرف آگ لگ رہی ہو، جوان بیٹی کا باپ بننا سزا سے کم نہیں ہے اور پھر ایسی بیٹی جس کے سر سے ماں کا سایہ ہٹ چکا ہو۔ میں نے کتنی صعوبتیں برداشت کر کے دونوں بچوں کی تربیت کی ہے۔ اس کا تمھیں بخوبی اندازہ ہو گا۔ میں تو مر سکتا ہوں دونوں کے لیے مگر میں سحابی کے مستقبل کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میاں! یہ ایک حقیقت ہے کہ میں واقعی دل کا بیمار ہوں۔ مجھ سے بہت پہلے بھی ڈاکٹر ابوالحسن اور حکیم عثمان صاحب نے کہا تھا کہ مجھ سے ہارٹ اٹیک دور

نہیں ہے۔ کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پیہم افکار و صدمات نے میری رگوں کا خون خشک کر دیا ہے۔ میں نے کسی سے کہا نہیں۔ فائدہ بھی کیا ہے۔ بچے پریشان ہوتے۔ اور مرض بہر حال آتا۔ میں صرف یہ سوچتا تھا کہ میری زندگی میں میری بچی اپنے گھر بار کی ہو جاتی۔ بس میں ہر بیماری کا استقبال کر لیتا۔ بخندہ پیشانی موت کو لبیک کہتا۔ نہ میں بیماری سے گھبراتا ہوں نہ موت سے ڈرتا ہوں۔ مگر بس ایک ہی فکر جان کھائے جاتی ہے کہ سجانی کا کیا ہوگا؟ تمہارے سامنے کی بات ہے کہ لگ لگ کے اس کے رشتے چھوٹے۔ اور اب کوئی آتا بھی نہیں اس کی عمر کا بائیسواں برس ہے۔ اگر خدانخواستہ حالات بدستور رہے تو میری موت یقینی ہے۔ پھر چاہے کچھ ہو۔"

"قبلۂ محترم! آپ نے خواہ مخواہ بڑی دور تک سوچ لیا ہے۔" فاران نے کہا: "مجھے یہ بتائیے کہ کیا خدانخواستہ آپ کی موت سے حالات بدل جائیں گے؟ یا آپ کی موت حالات کی مزید تباہی اور بربادی کا باعث بنے گی۔ آپ کو میں سمجھانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ سوچنے کا مشورہ دیتا ہوں کہ کسی بھی معاملے کا ہمت اور حوصلے سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کیا آپ کے اس طرح مسلسل سوچنے سے کوئی رشتہ آیا جا رہا ہے؟ کیا آپ کی مسلسل فاقہ کشی سے صاحبزادی کی عمر بڑھنے سے رک جائے گی۔ جناب محترم یہ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی اور اپنے کنبے کی تباہی چاہتے ہیں۔ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کی فکرِ پیہم کون سے مسئلہ کا حل ہے؟ اور اس سے کیا فائدہ ہے؟"

"سچ کہتے ہو بیٹے!" سید صاحب نے کہا: "اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ ہم بہت جلد گھبرا جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ معاملہ تو ایسا ہے جس کا ڈٹ کر سامنا کرنا چاہیئے۔"

رضیہ چائے اور لوازمات لے کر آئی۔ سید صاحب نے اس سے کہا "یہ خود بنا کر پی لیں گے۔ تم جاؤ۔"

اس کے جانے کے بعد سید صاحب نے کہا "ہمارا ارادہ ہو رہا ہے کہ ہم اس لڑکی کو اپنے کنبے میں شامل کر لیں۔ تمھارا کیا خیال ہے؟"

فاران چائے بناتے بناتے رک گئے "میں سمجھا نہیں آپ کا کیا مطلب ہے"

"اس کے والد ہمارے پرانے ساتھی تھے۔ ہم نے انھیں کبھی خدمتگار نہیں سمجھا۔ خدا گواہ ہے فاران میاں! اب بھی ہم رضیہ کو سجاتی سے کم نہیں سمجھتے۔ وہ بڑی تابعدار لڑکی ہے۔ اس نے جس طرح ہماری خدمت کی ہے، وہ کم از کم سجاتی نے بھی نہیں کی۔ اس کا فرض ہم پر واجب ہے۔ اس کے والد سید میاں نے اپنی امانت چھوڑی ہے ہمارے پاس۔ تم بتاؤ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے"

"آپ کی نظروں میں کوئی لڑکا ہوگا؟"

"ہم نے اسلامی اقدار کے مدِ نظر کبھی اونچ نیچ کا خیال نہیں کیا۔ رضیہ کو ہم نے اپنے شارب کے لیے موزوں ترین لڑکی سمجھا ہے... تم کسی طرح شارب کے کان میں بات ڈال دو اور اس کے خیالات معلوم کر کے ہم سے کہہ دینا۔"

"سبحان اللہ!" فاران نے بڑی عقیدت سے انھیں تکتے ہوئے کہا "آپ تو مجھے بدحواس کیے دیتے ہیں جناب! آج تک تو یہ دیکھا ہے کہ اگر صاحبزادے نے ایسی جسارت کی ہے تو ماں باپ نے بیٹے کو یا تو عاق کر دیا ہے یا ترکہ سے محروم کر دیا ہے۔ لیکن یہاں آپ خود ایسی ایثار پسندی اور عالی ظرفی کی مثال قائم کر رہے ہیں......"

سید صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "شاید میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو پروردگارِ عالم کی نگاہ میں حصولِ جنت کا بہانہ ٹھہرے۔ لہٰذا سوچا

ہوں کہ ایک کام یہ کر جاؤں۔ سنا ہے کہ بے وارث لڑکی کی شادی کا ثواب حج اکبر کے مترادف ہے۔"

"جی ہاں، یہ تو ہے۔ میں شارب کے خیالات معلوم کر کے ضرور آپ تک پہنچا دوں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ لیکن ایک گزارش آپ سے کرنا چاہتا ہوں کہ شارب کے منفی جواب کو بھی ذہن میں رکھیئے تاکہ بعد کو آپ کوئی نیا صدمہ اپنے دل پر نہ جھیلیں۔"

فاران دیر تک بیٹھ کر رخصت ہوئے۔ لیکن سید صاحب کے جسم میں نئی توانائی پیدا کر گئے۔ انھوں نے سوچا کہ بے شک اس طرح ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنا اور سوچ سوچ کر بیماری کو دعوت دینا عقلمندی کا تقاضہ نہیں ہے۔ انھیں ہمت طاقت اور حوصلہ سے کام لینا چاہیئے۔ خدا مددگار ہے۔

لڑکیوں کو معلوم نہیں تھا کہ فاران جا چکے ہیں۔

سید صاحب نیا عزم لے کے اٹھے۔ غسل خانے میں جا کر وضو کیا اور صحت مند آدمی کی طرح پیدل ہی مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔

تیسرے روز کوئی گیارہ بجے دن کو غفور نے ہمیشہ کی طرح پہلی ڈاک ڈبے سے نکالی اور صاحب کی میز پر پہنچا دی۔ سید صاحب نے اپنے خط چھانٹ کر علیحدہ کر لیے اور سحابی کے نام کا موٹا سا لفافہ اُسے اندر بھجوا دیا۔ سحابی کو کنگ من موہن کے جواب کا تو شدت سے انتظار تھا

وہ خط لے کر باغ میں چلی گئی اور اناروں کے جھنڈ میں چھپ کر پڑھنے لگی۔

"میری بانو، ایمان پیاری سکھی!

خدا کرے تری پھولوں میں زندگی گزرے۔ خط ملا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر باپ اسی طرح سوچتا ہے۔ اگر انکل نے ایسی بات سوچی ہے تو کیا برا کیا۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی انکل کی مدد کرو۔ اور کسی طرح اپنا جیون ساتھی چن لو۔ اس طرح تم انکل کی آدھی پریشانی دور کر کے انھیں زندگی کی جگمگاتی شاہراہ پر لا کھڑا کرو گی۔ اگر میں کچھ مدد کر سکتی ہوں تو حاضر ہوں۔ تمھارے پیغام لگ کر ٹوٹے۔ اس میں مجھے کسی بدمعاش کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ ورنہ تم ایسی مہذب، حسین تعلیم یافتہ اور دولت مند لڑکی ناپسند نہیں کی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی در پردہ تم سے شدید محبت کرتا ہو۔ کیا تم کسی لڑکے سے ملتی جلتی ہو۔ کسی سے عہد و پیمان تو نہیں کر رکھا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہی محبت تمھاری تاک میں ہو۔ دنیا بڑی جگہ ہے۔ یہاں ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔

میں تم سے ہرگز خفا نہیں۔ میرا بس چلے تو میں تمھیں ہر وقت اپنے سامنے بٹھائے تمھارا حسین و دلفریب چہرہ تکتی رہوں۔ تمھیں سینے سے لگاؤں۔ تمھیں پیار کروں۔ تمھیں لے کے اس مکروہ دنیا سے کہیں دور چلی جاؤں۔ مگر سکھی یہ فانی انسان کی تمنا ہے۔ ناقابل عمل لیکن کبھی نہ کبھی تو ایسا ہوگا۔ میں ناامید نہیں۔

تمھارا دوسرا اندیشہ پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ تم نے ہمارے پیر و اثر صاحب کی شان میں جو گستاخی کی ہے وہ قابل درگزر نہیں۔ وہ بے حد

اچھے انسان ہیں۔ حسین اور خوبصورت تو ہیں ہی دل کے بڑے اچھے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم انھیں تم سے کیا دشمنی ہو گئی ہے کہ انھوں نے تمھارا انٹرویو نہیں لیا۔ حالانکہ مجھ سے تمھاری بڑی تعریفیں کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ کتنی حسین لڑکی ہے۔ جب وہ ہنستی ہے تو اس کی آنکھیں کس طرح چمکنے لگتی ہیں اور گالوں میں جو حسین خم پڑتے ہیں ان پر تو جان نکلی جاتی ہے۔ کاش ایسی پیاری لڑکی ہمارے کالج میں آجاتی۔ سجانی سچ مچ تعریف وہ تمھاری کر رہے تھے اور میں سن سن کر پھولی نہیں سما رہی تھی۔ ان کے دل میں تمھاری کتنی قدر و محبت ہے۔ تم کیا جانو۔ کیا وہ واقعی تمھیں نگار کی شادی کی بھری محفل سے بھگا لے گئے تھے اُت پگلی! تو نے ایسے قیمتی لمحات ضائع کر دیے۔ ان کے تین تین بچے ہیں تو کیا ہوا۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ بچوں کو بھول جا۔ انھیں یاد رکھ۔ دنیا اچھے آدمیوں سے خالی ہے۔ ان کی قدر کر بہن! ذرا پوچھ کے تو دیکھا ہوتا۔ کہیں وہ تیرے پیار کا دیپک اپنے من مندر میں تو نہیں جلائے بیٹھے ہیں۔ سچ! ایسا ہو تو مزہ آجائے۔ تمھاری شکایت کا مطلب تو میں سمجھ گئی کہ لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ۔ وہ تیرے پڑوسی ہیں۔ ان کے بچوں کی تو ماں بننا چاہتی ہے۔ پھر دیر کس بات کی ہے؟ کیا تو اپنے ابی کی فکریں دور کرنا نہیں چاہتی ——؟

میں تم سے نہیں ملوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم بھوکی بندریا کی طرح مجھے بھنبھوڑ ڈالو کہ میں نے تیرے دشمن کی تعریف کیوں کی ہے۔ بہرحال سچی بات کہے بغیر رہا نہیں جاتا۔۔۔ آئندہ تم جانو

تمہارا کام۔ شارب کو پیار کہنا، رضیہ کو دُگنے پیار۔ فقط

تمہاری۔ کنک من موہن

چڑیل کے دماغ پر کسی بھوت کا اثر ہو گیا ہے۔ سحابی نے دانت پیس کر سوچا اور خط مٹھی میں مروڑ ڈالا۔ غصے کے مارے آگ بگولا ہو رہی تھی۔ بدذات نے ایک سنگین مسئلے کو مذاق بنا ڈالا۔ کم بخت سے مشورہ مانگا تھا۔ خدا کی قسم! اسے تو سچ مچ بندروں کی طرح جھنجھوڑے بغیر نہیں رہوں گی۔ وہ مجھ سے نہیں ملے گی۔ مگر کیا میرے پاؤں میں مہندی لگی ہے۔ ابھی جا کے شیطان کی خالہ کی گردن مروڑوں گی۔

پھنکارتی ہوئی اٹھی اور اندر آئی۔

رضیہ نے حیرت سے اُسے گھورا "بہت غصہ آرہا ہے بی بی تمھیں! کیا کسی نے کچھ کہہ دیا۔

"اب میں کسی سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رکھوں گی" سحابی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے "لوگوں کو رازدار بناؤ تو وہ مذاق اڑانے لگتے ہیں"

"ہوا کیا؟"

سحابی نے کنک کی بدمعاشی کی داستان کہی اور چونکہ رضیہ سے کوئی بات چھپاتی نہیں تھی۔ کنک کا خط پڑھ کر بھی سنا دیا۔ رضیہ بولی:

"کنک جی خط لکھتے ہوئے کسی اور موڈ میں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ اپنے صاحب کو انکل تو نہیں کہتی ہیں نا؟"

"تو پھر؟" سحابی چونکی۔

"تم میں بار بار انکل لکھا ہے"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ خط کنک نے نہیں لکھا؟"

"کیا پتہ بی بی! اب جا ہی رہی ہو۔ پوچھ لینا۔"

"تم بھی چلو۔ اکیلے ابّی جانے نہیں دیں گے۔"

"میں بھی چلوں گی تو اُن کے ٹانک کا وقت ٹل جائے گا۔ خود سے صاحب کچھ کھاتے پیتے نہیں۔"

"اچھا تم میرے کپڑے نکال دو میں نہا کر ابھی آئی۔"

پھر وہ نہا کر آئی تو فاران کے بچے بھی آگئے۔ سحابی کے چہرے پر بیزاری پھیل گئی جھنجلا کر رضیہ سے بولی:

"یہ کاہے کی بیگار ہے رضیہ! ایک دفعہ کیا لاڈ کیا ان سے کہ سر پر سوار کر لیا۔ انھیں واپس بھیجو۔ میں جا رہی ہوں۔ مجھ میں کسی کی ناز برداری کی ہمت نہیں"

"ارے تو تم جاؤ نا بی بی! کیا یہ بے چارے بچے تمھارا راستہ روک رہے ہیں" رضیہ بھی بگڑی۔

سحابی نے گیلے بال آدھے کھلے چھوڑ دیے، ان میں بڑا خوبصورت ربن باندھا۔ کان کے پیچھے زرد گلابوں کا گچھا اٹکایا۔ فیروزی رنگ کی ساڑی اور ہم رنگ بلاؤز میں اس کی سرخی مائل سفید رنگت نکھر آئی تھی۔ ابّی سے دو گھنٹے کی اجازت لے کر وہ باہر نکلی۔ کار کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔ دفعتہً برآمدے میں فاران سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ انھوں نے پسندیدہ نظروں سے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور خواہ مخواہ یوں مُسکرائے کہ سحابی کو بڑی جلن محسوس ہوئی۔

"کبھی تو آپ بھی سلام میں پہل کیا کیجئے" فاران نے کہا "حیرت ہے سید صاحب جیسے برگزیدہ، شریف النفس انسان کی ایسی بد تہذیب لڑکی ۔۔۔ لاحول ولا قوۃ"

"ان جیسے برگزیدہ انسان کے ایسے منہ پھٹ بڑوسی" سحابی نے دانت

پیس کر کہا۔

"ابھی کہتا ہوں اُن سے۔" فاران نے دھمکی دی۔ "تم نے مجھے کیا سمجھا ہے۔ سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں گا۔"

"میں نہ رکھ دوں گی۔ دھوکے سے مجھے شادی کی محفل سے ——"

"ارے بابا بھول بھی جاؤ وہ بات۔" فاران نے سر پر ہاتھ مار کر بیزاری سے کہا۔ "دس مرتبہ میں چکا ہوں شادی کی بھری محفل، شادی کی بھری محفل۔ تم اگر نہ آنا چاہتیں تو میں کیوں لاتا؟"

"کیا میں نے درخواست کی تھی آپ سے؟" سحابی چیخی۔ فاران گھبرا کر اس کے سر کے اوپر سے سید صاحب کے کمرے کو گھورنے لگے۔ "آہستہ بولو۔ سچ سچ تمیز تو تمہارے پاس سے بھی نہیں گزری۔ کیا تم کبھی آدمیوں کی طرح بات نہیں کر سکتیں۔"

"آدمی تو ایک آپ ہیں۔"

"بے شک! بے شک!!"

"باہر کون ہے؟" اندر سے سید صاحب کی آواز آئی۔ "بیٹی! تم کس سے باتیں کر رہی ہو؟"

"جاؤ!" فاران نے ہاتھ ہلا کر کہا اور اس کے قریب سے گزر کر اندر چلے گئے۔ سحابی برا سا منہ بنا کر نیچے اتر گئی۔

سید صاحب نے بہت خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا۔

فاران کرسی سنبھالتے ہوئے بیٹھے "آپ کے حسب الحکم شارب سے گفتگو کی تھی۔"

"ہاں ہاں..." سید صاحب مسکرائے۔

"اس کا شروع ہی سے خیال تھا۔ لیکن آپ کے ڈر سے کہا نہیں تھا۔"

"واقعی !"

"جی ہاں" فاران ہنسنے لگے۔ "وہ تو بزرگوں کی طرح آپ کو سیکڑوں دعائیں دے رہا تھا اور ساتھ ہی متمنی بھی تھا کہ اب پھر کبھی اس کے سامنے تذکرہ نہ کریں۔ بہت شرما رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ اپنے ارادے کو کمزور نہ کیجئے۔"

"نہیں میاں ہرگز نہیں... ہم ابھی حمید کو باقاعدہ اعلان کر دیں گے مگر"
فاران مستفسرانہ انداز میں سید صاحب کو دیکھنے لگے۔

"لیکن یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ لڑکی کو پس پشت ڈال کر لڑکے کا کام کیا جائے۔ رضیہ گھر ہی کی بچی ہے۔ جب چاہیں اس کا عقد کر سکتے ہیں.. مگر خدا کوئی صورت نکال دیتا تو پہلے لڑکی کے فرض سے سبکدوش ہوتے۔"

"ہو جائے گا۔ گھبرائیے نہیں۔"

سید صاحب نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گئے۔

آدھے گھنٹے کے بعد جب وہ کھا پی کے رخصت ہوئے تو شارب سے ملاقات ہوئی۔

"سلام بھائی صاحب!" شارب نے کہا۔

"سنو! تم سے ایک ضروری کام ہے۔"

"فرمایئے!"

"یہاں نہیں... اس طرف اکیلے میں آؤ!"

شارب کچھ متحیر سا ان کے پیچھے چلا۔ دونوں سنگیسر کے درخت کی چھاؤں میں آ گئے۔ شارب کچھ پریشان سا ان کی شکل تک رہا تھا۔

"تمھاری وجہ سے میں ایک بڑی پریشانی میں پڑ گیا ہوں۔"

"میری وجہ سے ؟" شاداب حیران ہو کر بولا۔

"ہاں ... اب میری عزت تمھارے ہاتھ ہے۔"

"ارے واہ بھائی جان! میں بے چارہ کس شمار قطار میں ہوں۔" شاداب احمقوں کی طرح ہنسا۔ "مگر بات کیا ہے ؟"

"شاداب! بات اصل میں یہ ہے کہ سید صاحب محترم نے تمھاری زندگی کے ایک مسئلے پر تمھاری رائے پوچھنے کی اہم خدمت مجھے تفویض کی تھی۔"

"جی!"

"تم تھے نہیں۔ دن بھر چڑیوں کے شکار میں مشغول رہے تھے۔ سید صاحب کو عجلت تھی۔ میں نے تمھاری طرف سے سید صاحب قبلہ کو اثبات میں جواب دے دیا۔ وہ تو مطمئن ہو گئے۔ مگر میں بڑی پریشانی میں پڑ گیا ہوں۔ فرض کرو کہ تم نے میرے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا تو پھر ---"

"آپ نے جو کچھ کہا ہوگا وہ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا۔ آپ مجھ سے بڑے ہیں۔ مجھ جیسے سیکڑوں لڑکوں کو پڑھاتے ہیں۔ بھلا آپ کے مقابلے میں میری عقل کا کیا تذکرہ۔"

"شاداب! تم سمجھے نہیں۔"

"سمجھائیے!"

"وہ اہم معاملہ تمھاری شادی سے متعلق تھا۔"

"جی ؟" شاداب نے آنکھیں پھاڑیں۔

"ہاں بھئی۔ بڑی دشواری یہ ہے کہ سید صاحب نے تمھارے لیے ایک ایسی لڑکی پسند کی ہے جس کے تعلق سے انھیں اندیشہ ہے کہ شاید تمھیں

اختلاف ہو۔"

"آپ تو پہیلیاں بجھوا رہے ہیں بھائی جان! ابھی میری شادی کی کون سی جلدی ہے۔ پہلے وہ بجیا کی فکر کریں۔ ابّی نے کون سی لڑکی پسند کی ہے؟"

"وہ تمھارے لیے اجنبی نہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ بشّو ماموں کی صاحبزادی ہوں گی۔ ہمیشہ بشّو ماموں ابّی کو ورغلایا کرتے ہیں۔ ابّی ان کے چکمے میں آ گئے ہوں گے۔ مگر آپ کہہ دیجیے۔"

"ان صاحب کی لڑکی نہیں ہے۔"

"تو پھر؟"

"وہ رضیہ ہے۔" فاران نے کہا۔

"رضیہ۔" شارب اچھل پڑا اور یک بیک نا معلوم مسرتوں سے مغلوب ہو کر بولا:

"سچ سچ! فاران بھائی۔"

"ہاں!"

"خدا کی پناہ! یہ میرے دل کی آرزو ابّی کی زبان کیسے بن گئی فاران بھائی! آپ نے اچھی طرح سنا تھا؛ ابّی رضیہ ہی کا نام لے رہے تھے؟"

"بہت خوش ہو۔" فاران نے ٹٹولنے والی نگاہوں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"آپ تو میرے بھائی ہیں۔ آپ سے نہیں چھپاؤں گا" شارب اُن سے لپٹ گیا۔ "میں شروع ہی سے رضیہ کو بہت پسند کرتا ہوں۔ نو سے میں نے کہہ بھی دیا تھا۔ مگر انھیں منع بھی کر دیا تھا کہ ابّی سے نہ کہیں۔

مجھے اندیشہ تھا کہ ابّی کو صدمہ ہوگا۔ میں ان کو کوئی صدمہ پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ ایسی میری لاکھوں آرزوئیں میرے ابّی پر سے قربان۔ مگر ابّی کیسے اچھے ہیں"

فاران نے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

"جیتے رہو میرے دوست۔ تم نے مجھے ان کے سامنے خفیف ہونے سے بچا لیا۔ مجھے تم پر اعتماد تھا"

"ابّی جب چاہیں میری شادی کر دیں" شارب نے بڑے خلوص سے کہا

"بکو مت۔ پٹ جاؤ گے"

"شارب ہنسنے لگا" میں سمجھا شاید ابّی کو اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنے کی تمنا شدید ہو۔ آپ نے ابّی کو میری طرف سے کیا جواب دیا تھا؟"

"چونکہ میں سمجھتا تھا کہ تم میری گزارش مان لوگے۔ انھیں اثبات میں جواب دے دیا تھا۔ اچھا اب چلتا ہوں۔ مگر خبردار—" وہ رک کر شارب کو گھورنے لگے

"کیا قصور ہوا؟" شارب ڈر گیا۔

"رضیہ سے آپ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں فرمائیں گے"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اب تو میں اس سے شرماؤں گا۔ سامنے تک نہیں نکلوں گا" شارب نے یقین دلایا۔

فاران ہنستے ہوئے چلے گئے۔ شارب زینے پھلانگتا ہوا اوپر آیا۔ رضیہ دالان میں بیٹھی بچوں کو کھلا رہی تھی۔ وہ پردے کی آڑ میں کھڑے ہو کر رضیہ کو تکنے لگا۔ وہ ہنستی ہوئی کتنی دلکش لگ رہی تھی۔ موتی ایسے دانت پتلے پتلے ہونٹ، اونچی ناک، صاف رنگت۔ بس وہ اپنے بالوں کی

وجہ سے ہار گئی تھی۔ گھنگھریالے ڈھیروں بال تھے جو شانوں ہی تک آکر رہ گئے تھے۔ ہزار جتن کیے تھے بے چاری نے مگر بالوں نے اپنی جگہ سے ایک انچ سرکنے کا نام نہیں لیا۔ رضیہ انھیں چوڑے ربن سے باندھے رہتی۔ پھر بھی موٹی موٹی سرکش لٹیں اس کی صندلیں پیشانی پر جھوما کرتی تھیں۔

شاداب نے سوچا کہ وہ بال بب کروا لے گا

اُسے اپنے خیال پر ہنسی آگئی۔

رضیہ نے چونک کر سر اُٹھایا۔

سحابی کی باتیں اس کے ذہن میں گونجیں اور اس کا چہرہ یکبارگی لالہ فام ہوگیا

"آپ وہاں چھپے کیا دیکھ رہے تھے؟" اُس نے خشمگیں لہجے میں پوچھا۔

شاداب اندر آیا اور ابی کی لانگ چیئر پر بیٹھ گیا۔

"میں دیکھ رہا تھا کہ تم بچوں کے ساتھ کھیلتی ہوئی کتنی اچھی معلوم ہو رہی ہو" شاداب نے کہا۔ پھر گڑبڑا کر بولا "یہ بچیاں کدھر چل دیں؟ نظر نہیں آتیں"

"سنئے چھوٹے بھیا ابھی تو خیر آپ نے کہہ لیا" رضیہ نے نیلے پیلے دیدے نکالے "پھر کبھی آپ نے کوئی بے تکی بات کی تو میں صاف جا کے صاحب سے شکایت کر دوں گی ہاں!"

سید صاحب فاران کو رخصت کر کے اندر آ رہے تھے۔ انھوں نے دونوں کی پر لطف گفتگو سن کر دروازے ہی پر قدم روک لیے۔

"بیکار مجھے دہلاتی ہو رضیہ بیگم!" شاداب نے کہا "میں کیا بولا ہوں؟"

"جب دیکھو کہا کرتے ہیں اچھی لگتی ہو، بری لگتی ہو آپ سے کیا مطلب؟ ہم کیسے بھی لگا کریں"

"یہ تو میں نے کبھی نہیں کہا کہ بری لگتی ہو۔ اور یہی اچھی لگنے کا یہ معاملہ ہے

رضیہ بیگم! ایسا معاملہ ہے یہ کہ جب گھر میں ایسا خوبصورت آدمی' ابی جیسے شاندار بزرگ اور بجیا جیسی حسین لڑکی رہتے ہوں تو ظاہر ہے کہ تمھیں بھی اس مناسبت سے خوبصورت لگنا ہی چاہیئے۔ ورنہ یہ سب دیکھنے والے کیا کہیں گے کہ بھئی واہ اتنے حسین آدمیوں میں بس ایک ہے گھنگھریالے بالوں والی انفرلیقن ——"

"آپ کی بلا سے۔ مجھے کوئی خوبصورتی کا تمغہ لینا نہیں ہے"

"ابی تمھاری بڑی تعریف کر رہے تھے" شارب ڈھٹائی سے بولا۔ وہاں سے گیا نہیں۔

"ابی میرے بھی باپ ہیں۔ ان کی تعریف سے آپ کو کیوں حسد ہوتا ہے"

"توبہ کرو۔ میں حسد کرتا ہوں۔ میں تو حد سے بے حد خوش ہوتا ہوں"

"آپ یہاں سے جایئے!"

"کہاں جاؤں؟ جی ہی نہیں لگتا"

"کالج کیوں نہیں گئے"

"اتوار کے روز کالج میں جھاڑو دینے جاؤں"

"کھانے کی میز صاف کیجئے" وہ ہنس پڑی۔

"تمھارا ساتھ ہوگا تو یہ بھی کرنا پڑے گا" اس نے کہا اور مکاری سے مسکرانے لگا۔ رضیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"کیا مطلب؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"پتہ نہیں۔ مطلب آپ کو معلوم ہوگا"

"میں بہت دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ آپ بڑی اینڈی بینڈی باتیں کرنے لگے ہیں" وہ بگڑی۔

"اجازت دو تو ایک جیڈی بات اور کروں"

"کچھ نہیں میں آپ کی شکایت ضرور کروں گی"

"داماد کی شکایت کرو گی سسر سے" شارب نے شرارت سے کہا۔

"داماد ــــ؟" رضیہ نے سُرخ ہو کر دُہرایا۔

"اور کیا۔ ابّی تو تمھیں اپنی بیٹی سمجھتے ہیں"

رضیہ کا چہرہ انار کی کلی بن گیا۔ ادھر پردے کے پیچھے سے سید صاحب گونجیلی آواز میں کھانسے۔ شارب اُٹھ کر بھاگ گیا۔ رضیہ سر پہ آنچل اوڑھ کر تمیز سے بیٹھ گئی۔

"آہا۔ آج یہ دربار تم نے لگایا ہے" سید صاحب نے دیر کی رُکی ہوئی ہنسی بہانے بہانے ہنس کر کہا "بڑے شریف بچّے ہیں۔ تمھیں ستاتے نہیں ــــ!"

وہ چپکے سے کھانسی اور کچھ نہ بولی۔

"غفور سے کہہ کر چائے بنوا دو بیٹی! صبح سے نہ جانے کیوں سر میں درد ہو رہا ہے"

"میں لے آتی ہوں" رضیہ نے کہا۔ جینی اور پپّی صحن میں ٹرائیکل چلاتے رہے۔ رضیہ بینا کو گودی میں لیے ہوئے چلی گئی۔ سید صاحب صوفہ پر ٹک گئے۔ کچھ دیر بنتے رہے پھر ریڈیو آن کر کے خبریں سنتے رہے۔

رضیہ چائے لائی اور بچّوں کو وہاں سے لے گئی۔

---

کنک پہلے تو سجاتی کا موڈ ہی چوپٹ دیکھ کر کھٹکی تھی۔ اس کے تیور ایسے تھے کہ جیسے خوب جھگڑا کرے گی۔ پھر جب اُس نے اکیلے میں کنک کی پیٹھ پر دو ہتھڑ رسید کیا تو وہ ہنسی کے مارے لوٹ گئی۔

"ارے اتنی ہلاکو کیوں ہو گئی ہے" کنک نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ "تو پھوٹو منہ سے۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

سجاتی سیدھی ہو بیٹھی اور تیکھی نظروں سے اُسے گھورتی ہوئی بولی "تم کہاں کی شہنشاہ اعظم ہو گئی ہو کہ بے چاری کو ملنے کی بھی فرصت نہیں رہی۔ پہلے تو مارا بھاگ بھاگ کے آتی تھیں اور بکواس کر کر کے نتھنوں میں دم کر دیتی تھیں اب کیا کہیں کی گدّی نصیب ہو گئی ہے؟"

"بھگوان قسم! ایک مطلب جو سمجھ میں آیا ہو سجاتی!" کنک گڑگڑائی۔

"خط کے جواب میں بد تمیز چڑیل نے لکھ دیا کہ میں نہیں ملوں گی" سجاتی نے بگڑ کر کہا "کیا میں تمہیں یہاں بھوکی نیندیا کی طرح جھنجھوڑ نہیں سکتی؟ قسم کھا کے آئی ہو" "بھنگ پی کے آئی ہو" کنک ہنس پڑی "تو اسوں سے جاتی رہی، سو۔ پوری بات تو بتاؤ"

"تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔ میں تو سمجھی تھی کہ میری پریشانیوں کا تم کوئی حل نکالو گی۔ مگر تم نے ایسا اوٹ پٹانگ جواب دیا تھا کہ مارے کے میں سلگ اٹھی تھی تم سامنے ہوتیں تو میں بھجو مر نکال کے پھینک دیتی تمہارا۔ اب بتاؤ ایسا کیڑا کیوں رینگا تھا تمہارے بھیجے میں؟ کس نے تم سے کہا تھا کہ تم ان نگوڑ مارے کی منوں

تعریف میں سارا خط بھر دو اور میری پریشانی کا کوئی حل مجھے نہ بتاؤ۔"

"ارے کیا بکے جا رہی ہے سجاتی کی بچی؟ مجھے تو شبہ ہو رہا ہے کہ تو اپنے ہوش میں نہیں رہ گئی" کنک نے احتجاج کیا "کون سی ایسی پریشانی ہے جس کا میں نے حل نہیں بتایا۔ تو نے پوچھا کب تھا کوئی حل؟"

"ہاں ہاں، اب مکر جاؤ۔ مگر میں تمہیں ماروں گی ضرور۔ بہت ناگوار باتیں تم نے اپنے خط میں لکھی تھیں" سجاتی بولی۔

"کیسا خط؟" کنک تعجب سے بولی۔

"جو تم نے خط کے جواب میں لکھا تھا" سجاتی نے کہا۔

"اب تو معلوم ہو گیا کہ سچ مچ نشے میں ہو" کنک ہنس پڑی "ارے دیوانی، احمق! میں نہیں جانتی۔ کون سا خط تم نے مجھے بھیجا تھا جس کا میں نے اونڈھا جواب دیا تھا۔ یقین کرو کہ تمہارا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔"

"جھوٹ بول کر بچوگی نہیں۔"

"بھگوان قسم! جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ اگر تم نے مجھے خط لکھا ہوتا اور کسی پریشانی کا حل مجھ سے پوچھا ہوتا تو میں ضرور بتاتی۔ اتنی کٹھور اور بےمروت نہیں ہوں کہ تمہاری فکروں کو ہنسی میں اڑا دوں؟"

"میرا خط تمہیں نہیں ملا؟" سجاتی حیرت سے بڑبڑائی "تو پھر یہ کیسا جواب ہے، جو تمہاری طرف سے مجھے ملا ہے؟"

"لاؤ دیکھوں وہ جواب کہاں ہے؟" اب تو کنک کو بھی تشویش ہوئی۔ سجاتی نے اپنا پرس اس کی طرف بڑھا دیا۔ بڑی عجلت سے کنک نے لفافہ نکالا اور خط پڑھنے لگی۔ پھر جب پڑھ چکی تو ہونقوں کی طرح سجاتی کو تکنے لگی۔ سجاتی بھی اس کو دیکھ رہی تھی۔ کنک نے نفی میں سر ہلایا

اور تھوک نگل کر بولی "یہ خط میرا نہیں ہے۔ تم اتنی بدھو کیوں ہو گئی ہو
میرا طرزِ تحریر بھی نہیں پہچانا؟ یہ تو کسی نے تمھیں بیوقوف بنایا ہے"
سحابی کا دل دھڑکنے لگا۔
"کس نے وصول کر لیا میرا خط؟ اور یہ تمھاری طرف سے کس نے جواب دیا
ہے ـــ؟"
"گھر ہی میں انکوائری کرو۔ کیا میں چلوں تمھارے ساتھ" کنک اُسے
ہراساں دیکھ کر بولی۔ اُسے خود بھی وحشت تھی۔
"نہیں میں جاتی ہوں" سحابی نے کہا اور اسی وقت گھر واپس آئی۔
سید صاحب دوپہر کو آرام کرتے تھے۔ رضیہ بچوں کو لے کر چلی گئی تھی۔ شاداب
دالان میں پڑا سو رہا تھا۔ سحابی نے حلیمن بوا سے کہا کہ وہ شاکر کو اس کے پاس
بھیج دیں اور خود سید صاحب والی لمبی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دو منٹ لیو شاکر
صاحب تشریف لائے۔ مگر سحابی کے چہرے پر جلال اور تیور کڑے دیکھ کر ان
کے دیوتا کوچ کر گئے۔
"میں نے تمھیں پرسوں ترسوں رات کو ایک خط پوسٹ کرنے کو دیا تھا"
سحابی نے خونخوار آنکھوں سے اُسے گھورتے ہوئے کہا "سچ سچ بتاؤ اسے کہاں
جھونکا؟"
"بی بی! وہ تو۔ وہ تو..." شاکر گھگھیایا اور ادھر ادھر دیکھا کہ شاید
کوئی مدد کے لیے آ نکلے۔ پھر رحم طلب نظروں سے سحابی کو دیکھنے لگا۔
"بولتے کیوں نہیں؟ میرا خط کس کو دیا تھا۔ ورنہ میں مار مار کر کھال ادھیڑ
دوں گی" وہ اتنی زور سے چیخی کہ شاکر لرز اٹھا اور سر جھکا کر بولا:
"بی بی! میں خط ڈالنے جا رہا تھا۔ مگر۔ مگر ـــ"

"مگر کے بچے! کیا مگر مگر۔۔؟" اُس نے گرج کر پوچھا۔
"جی۔۔۔ وہ بی بی۔ موڑ پر مجھے جیتی بابا کے ڈیڈی مل گئے۔ انھوں نے مجھ سے خط لے لیا۔ کہنے لگے کہ میں کالج جاتے جاتے ڈبے میں ڈال دوں گا۔"
"گدھے کے بچے! وہ دس بجے رات کو کالج جارہے تھے" سحابی کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دے۔
"دفع ہو جاؤ۔ مرو میری نگاہوں کے سامنے سے۔ نوکری سے نکال دوں گی" سحابی نے اتنے زور کا گھونسہ اس بے چارے کی پیٹھ پر رسید کیا کہ اپنا ہاتھ لے کر بیٹھ گئی۔ شاکر صاحب صورت لٹکائے واپس گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اگر فاران صاحب نے خط لے کے ڈال دیا تو اس میں غصے کی کیا بات ہے۔ خط تو بہرحال ڈل گیا نا۔ کسی نے بھی ڈالا ہو"
"ہماری بی بی غصے کی بڑی تیز ہیں" شاکر نے سوچا اور پھر نل کے پاس بیٹھ کر برتن مانجھنے لگا۔ سحابی اپنے کمرے میں آئی اور دھم سے اپنے بستر پر اوندھی گر گئی۔ غصے کے مارے اس کا تن بدن پھنک رہا تھا۔ کانوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ سینے میں جہنم بھڑک اٹھا تھا۔
کچھ دیر تک وہ حواسوں سے عاری یونہی بے ہوشوں کی طرح پڑی رہی پھر دفعتہً اس کا بے پناہ غصہ سیل بے پناہ بن کر آنکھوں سے بہہ نکلا۔
ہونٹوں سے کوسنوں کی باڑھ چلی
سینے سے بد دعاؤں کے آبشار پھوٹے۔
مگر بے سود۔ فاران نے اب بھی اس کو ذہنی زک دی تھی۔ وہ کیوں ایسی جان لیوا شرارتیں کر رہے تھے؛ کیوں اس کے دشمن بن کر رہ گئے تھے۔ سحابی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ان سے مطلب ہی کیا تھا؛

ان کا مقصد کیا تھا۔ وہ کیا چاہتے تھے؟ سحابی سوچتے سوچتے پاگل ہونے لگی۔ شاداب سے کہنا بیکار تھا۔ پتہ نہیں وہ کس پیرایے میں سوچتا کون سا ردّعمل اختیار کرتا۔ ابی سے کہتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ وہ ضرور پوچھتے کہ اب تک کیا کر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ پہلے سے کیوں نہ کہا۔ اگر ابی کو کچھ شبہہ ہو جاتا تو پھر وہ کیا کرتی؟ کوئی ہمدرد اور غمگسار دور دور تک نہیں تھا اپنا مسئلہ اسے آپ حل کرنا تھا۔

آنسو پونچھ کر وہ اٹھ بیٹھی اور سوچنے لگی۔ کچھ دنوں کے لیے یہاں سے چل دے۔ خود بخود فاران کی بدمعاشیاں سرد پڑ جائیں گی۔

سہ پہر کو وہ باہر نکلی۔ سید صاحب سامنے بیٹھے شام کا اخبار دیکھ رہے تھے۔ آہٹ سن کر سر اٹھایا اور غور سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ آنکھیں خاصی سرخ اور متورم تھیں۔ وہ چونک پڑے۔

"بیٹی! تم روتی رہی ہو۔ آنکھیں لال ہو رہی ہیں۔"

"ابی... میں چند روز کے لیے باہر جانا چاہتی ہوں۔"

"باہر... مگر اپنا کون ہے باہر۔ کس کے پاس جاؤگی؟"

"نگار نے کئی خطوں میں مجھے مدعو کیا ہے۔ آپ اگر اجازت دیجیے تو میں اسے لکھ دوں۔ زیادہ نہیں پندرہ بیس روز کے لیے۔"

اس کے لہجے سے آج جارحیت اور خودسری ٹپک رہی تھی۔ سید صاحب کچھ سوچنے لگے۔ وہ جوان لڑکی کے جذبات اور مرضی نامرضی پر کب تک اپنے ارادے کے پہرے بٹھاتے۔ انھوں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور چپکے سے بولے "تمھاری مرضی بیٹی! جاؤ۔ رضیہ کو بھیجتی جاؤ۔"

"ابی ہر وقت رضیہ کا باڈی گارڈ بنے رہنا اچھا نہیں لگتا۔" اس نے

چہرہ پھیر کر کہا "کتنی دور کا سفر ہے۔ میں تنہا چلی جاؤں گی" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی۔ سید صاحب سوچتے رہ گئے۔ پھر اسے شاداب نے روکا۔ رضیہ گھگھیاتی رہی۔ سید صاحب کی آنکھوں سے رحم طلبی جھلکتی رہی مگر وہ تو ہوا کے دوش پر سوار تھی۔ کسی کے روکے نہ رکی۔ اپنا رخت سفر باندھا اور چل دی۔

اور پھر دنوں بعد اس نے سکون کی سانس لی۔ نگار اور اس کا شوہر ریاض اس کی آمد سے بے حد خوش ہوئے۔ ریاض تو ان کا کلاس فیلو بھی تھا۔ ان میں دن بھر گپ شپ ہوا کرتی۔ رات کو دیر تک کارڈز ہوتے اور پھر صبح دیر سے سوکر اٹھتے۔ ناشتہ کرتے۔ کسی ہوٹل سے ٹفن باکس خرید کر پکنک پر چل دیتے یہاں فاران نہیں تھا، اس کی بیہودگیاں نہیں تھیں۔ سحابی آزاد تتلی کے مانند ہرے بھرے باغوں میں رنگ برنگی کنجوں اور سرسبز ہریالی سے ڈھکے ہوئے ٹیکروں پر اڑتی پھرا کرتی۔ وہ بہت دنوں بعد گھر کی چہار دیواری سے نکلی تھی۔ اور صحیح معنوں میں زندگی کا لطف اٹھا رہی تھی۔ نگار اس کے آرام کی خاطر خفا ہوتی اور ریاض ہر طرح اس کا خیال رکھتا تھا کہ سحابی دولت مند باپ کی بیٹی ہے اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس نے کسی سے فاران کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیا فائدہ تھا کہ ہر ایک کو راز دار بناتی پھرتی۔

وہ بے حد خوش تھی۔

ریاض اس کی خاطر روز نیا پروگرام بناتا تھا۔ اب اس کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ نگار تنہا سحابی کو لے کر نکل جاتی۔ ریاض کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک صبح نگار کو اپنے میڈیکل چیک اپ کی خاطر میٹرنٹی ہوم جانا پڑا سحابی گھر میں بور ہو رہی تھی۔ اس نے ریاض کی ٹیکسی کو ٹیلیفون کیا اور اکیلی ہی

پارک چل دی۔ سرما کا موسم ختم ہو رہا تھا۔ موسم بہار کی آمد آمد تھی۔ درختوں نے اپنا پرانا لباس اُتار پھینکا تھا۔ ہر طرف نئے شگوفے مسکرا رہے تھے۔ کنجوں پر ٹوٹ کر بہار آئی تھی۔ نیم کے گھنے درخت ننھے ننھے سفید پھولوں سے پٹے پڑے تھے۔ ہارسنگھار کا جھنڈ مہک رہا تھا۔ اور موگرے کی جھاڑیاں معطر ہو رہی تھیں۔

وہ اپنی خوشرنگ ساڑی کا آنچل سنبھال کر اپنے پسندیدہ کنج میں جا بیٹھی بڑی دیر تک پارک کی نظر فریب سبزی و شادابی سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ پھر اپنے جہازی پرس سے کیٹس کی کتاب نکال لی۔ اُسے یہ شاعر بہت پسند تھا جلد ہی وہ اس کی شاعری میں ڈوب گئی۔

دفعتہً کہیں سے سگریٹ کی خوشبو ہواؤں پر بہتی ہوئی آئی اور اُس کے شعور سے ٹکرا گئی۔ اُس نے سوچا کہ مالی ہوگا۔ روز اس وقت چمن بندی کرنے آجاتا تھا اور اُسے اکثر بہت سے پھول بھی تحفتہً اس نے پیش کیے تھے۔ مگر مالی اس کی نظروں کے سامنے کراٹا کی باڑھ کو تراشنے میں مصروف تھا۔ اُسکے ہونٹوں میں سگریٹ نہیں تھا۔ اور پھر اس نے سوچا کہ مالی ایسے قیمتی سگریٹ کہاں پیتے ہیں؟ وہ سہم گئی۔ پارک میں اکیلی تھی۔ آس پاس دور تک ہو کا عالم طاری تھا۔

اس نے کتاب پرس میں رکھی اور سوچا کہ چپکے سے بھاگ نکلے۔ باوجود اپنی تیزی طراری کے وہ مردوں سے بہت ڈرتی تھی۔ درندوں سے زیادہ۔ درندے فقط جان کے گاہک ہوتے ہیں۔ عزت و آبرو کے ڈاکو نہیں ہوتے وہ بڑی پھرتی سے اٹھی اور جیسے ہی اس کی نظر سامنے والے گمنوٹ کے جھنڈ کی طرف گیئی وہ بُت بن کر رہ گئی۔

یقیناً وہ اس کی نگاہوں کا دھوکا نہیں تھا۔

نگاہیں جھوٹ نہیں بولتیں۔

وہ یقیناً فاران ہی تھے۔ پتھر کی بنچ سے پیٹھ ٹیکے، سبزے پر پاؤں پھیلائے وہ نہایت آسودہ انداز میں سگریٹ کے طویل طویل کش لگا کر فضا میں چھلے بنا رہے تھے۔

سحابی پاگل ہونے لگی۔

غصے کے مارے اس کا دل چاہا کہ وہ اس بیہودہ شخص پر ٹوٹ پڑے اور اپنے دانتوں سے اس کی بوٹی بوٹی الگ کر کے پھینک دے۔

پھنکارتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی اور سوچنے لگی کہ کیا اُسکے پیچھے یہ آدمی دوزخ میں بھی جائے گا۔ جنت میں تو خیر وہ اپنی بدمعاشیوں کی وجہ سے جا نہیں سکتا۔ اُس نے اپنے پیچھے گونجدار کھانسی کی آواز سنی اور شیرنی کی طرح پھر کر مڑی۔

"آپ کو یہاں بھی چین نہیں۔ کیا آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں؟" اس نے بے چارے کو کاٹ کھایا۔

"جی۔؟" فاران نے بے حد تعجب سے کہا "یہ آپ کیا فرما رہی ہیں؟"

"میں آپ کو پولیس میں دے دوں گی" وہ کانپ رہی تھی۔ "آپ کی بدمعاشیاں حد سے بڑھ گئی ہیں"

"زبان سنبھالیے۔ زبان سنبھالیے"

"میرے پیچھے وہاں سے یہاں تک کیوں آئے؟"

"کیا آپ یہ سب مجھ سے کہہ رہی ہیں؟" وہ تو حیرت کے مارے سُن تھے۔

"نہیں تو کیا آپ کے فرشتوں سے کہہ رہی ہوں" وہ گرجی۔

"معاف کیجیے۔ آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ یا شاید آپ کی نظر کمزور ہے" فاران نے کہا "میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں۔۔۔"

"پھر کوئی چالبازی —" اُس نے آنکھیں نکالیں۔

"آپ حد سے تجاوز کر رہی ہیں۔" انھوں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔
"ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی غصہ آجائے۔"

"چوری سینہ زوری —" غصے کی شدت میں سحابی کی آواز بند ہو گئی

"ارے محترمہ آپ اپنا راستہ ناپیے۔" وہ ہنسے "کیوں خواہ مخواہ مجھ سے الجھ رہی ہیں۔ میں آپ کو بالکل نہیں جانتا۔ آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ مالی سے پوچھ لیجئے۔ میں تو گزشتہ سال بھر سے اس پارک میں اسی وقت آبیٹھتا ہوں۔ میری صحت خراب ہے۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ باغ کی تازہ ہوا میرے لیے مفید ہے... روز میں بھی آپ لوگوں کو دیکھتا ہوں آپ کے ساتھ ایک خاتون اور ایک شریف آدمی بھی ہوتے تھے۔ آج اتفاق سے آپ تنہا نظر آئی ہیں۔"

"جھوٹ کے پاؤں نہیں۔" سحابی حقارت سے ہنسی۔ پھر اس نے فاران کو شرمندہ کرنے کے لیے مالی کو آواز دی۔ وہ کھرپا ہاتھ میں لیے دوڑا آیا۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ سچ مچ وہ صاحب سال بھر سے روز اسی وقت بلاناغہ وہاں آ رہے ہیں۔ فاران کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"اب فرمایئے۔" وہ اس بچے کے سے لہجے میں بولے جس نے کسی کھیل میں ساتھیوں پر فتح پائی ہو۔ لہجہ کپکپا رہا تھا۔ آنکھوں سے معصوم خوشی چھلکی پڑ رہی تھی۔ سحابی شدت سے چکرائی۔ اگر اسے اس شخص پر فاران کا دھوکا ہوا ہے تو ٹھیک ہے۔ مگر وہ بھی ایسی کور چشم نہیں۔ اتنی شدید مشابہت دو آدمیوں میں ناممکن ہے۔ وہ رہ رہ کر اسے دیکھنے لگی۔

"میرا نام جان میک آرتھر ہے۔" اس نے کہا "سول لائنز کوٹھی نمبر

تھرٹین میں رہتا ہوں۔ کبھی آئیے۔"

"اچھا جان صاحب سلام۔" مالی نے کہا اور مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے شاید دھوکا ہوا۔" سحابی نے سخت ترین کشمکش میں مبتلا ہو کر کہا اور یک لخت پیٹھ پھیر کر چل دی۔ گیٹ پر ٹیکسی اس کی منتظر تھی۔ جان نے اپنے لیے آٹو رکشا کیا اور اسے اُس کے گھر تک پہنچا کر آگے چلا گیا۔

سحابی فرطِ حیرت سے دنگ تھی۔ کیا ایسی مشابہت ممکن ہے؟ وہی چہرہ، وہی آواز، وہی ڈیل ڈول۔ مگر یہ بے چارہ تو غیر مسلم تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ ضرور اس کی کوٹھی پر جائے گی۔ تب جھوٹ کھل جائے گا۔ دوسرے روز اس نے نگار کو ساتھ لیا اور سول لائنز جا پہنچی۔ بڑا صاف ستھرا محلہ تھا۔ انھیں کوٹھی نمبر تھرٹین کے ملنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ عجیب اتفاق تھا کہ سحابی کا انگریز دوست اپنے پائیں باغ میں اپنے کسی ساتھی کے ساتھ موجود تھا۔ سحابی کو دیکھ کر کار کی طرف جھپٹا اور پٹ کھول دیا۔ نگار متحیر تھی۔ سحابی نے تعارف کرایا۔ وہ بے حد دلچسپ ثابت ہوا تھا۔ اسے بے شمار لطیفے یاد تھے۔ جب تک تینوں بیٹھے رہے وہ انھیں ہنساتا رہا۔ سحابی بار بار شدید تعجب اور حیرت سے اُسے تک رہی تھی۔ کیا خدا کی شان ہے دو الگ جگہوں پر دو الگ الگ آدمیوں کو اس نے کس قدر یکساں بنا کر پیدا کیا ہے۔ صرف آواز کا اور لہجے کا فرق ہے۔ فاران کا لہجہ صاف تھا اور یہ بے چارہ قدرے ہکلا کر اور رُک رُک کر بولتا تھا۔ سحابی کا رہا سہا شک جاتا رہا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی کہ بے شک وہ فاران کو پیچھے چھوڑ آئی ہے۔ اس کے شب و روز پھر فراغت اور سکون سے بسر ہونے لگے۔

لیکن دوبارہ وہ اس انگریز سے نہیں ملی - اس نے بھی سحابی سے ملاقات کی کوشش نہیں کی۔

سہ پہر کو ریاض نے آفس سے واپسی پر سید صاحب کا لفافہ اسے دیا...
سید صاحب نے لکھا تھا کہ اس کے جانے سے گھر کی ساری رونق جاتی رہی ہے۔ اگر وہ جلدی واپس آجائے تو بہتر ہے۔ محسن صاحب کے پاس سے خط آیا تھا کہ انھیں کسی نے بہکایا تھا - ورنہ وہ بہانہ کر کے ایسی عجلت میں نہ بھاگتے۔ ان کے خط سے سید صاحب کو بہت رنج پہنچا اور بائیں طرف پسلیوں میں چبھن پیدا ہونے لگی ہے رضیہ ٹانکوں کا استعمال برابر کرا رہی ہے۔ مگر سحابی جلدی واپسی کی کوشش کرے
سید صاحب کی بے چینی کا حال پڑھ کر سحابی کا سارا لطف غارت ہو گیا۔
"خط پڑھ کر تم کچھ خاموش ہو گئیں سحابی؟" نگار نے فکرمند ہو کر پوچھا۔
"ابی کی طبیعت خراب ہے۔ میں واپس جاؤں گی" سحابی بولی۔
"ارے ابھی تو آئی ہو۔ جانے کی کیا جلدی پڑ گئی ہے" ریاض نے کہا۔
"اللہ ریاض بھائی! میں تو یوں بھی نہ جاتی۔ مگر پتہ نہیں ابی کیسے ہیں۔ ڈاکٹر نے ان سے کہہ دیا تھا کہ خدا نہ کرے آپ پر دل کا دورہ پڑے گا - اب ان کی بائیں پسلیوں میں چبھن ہو رہی ہے۔ میری عدم موجودگی سے متاثر ہو کر انھوں نے کوئی بیماری بلا لی تو کیا ہو گا؟" سحابی کو رونا آیا جا رہا تھا "آپ مجھے کل صبح ہی کی ٹرین سے سوار کرا دیجئے"
"ابھی تو تم نے ناگپور کے خربوزے اور سنگترے کھائے ہی نہیں" ریاض نے کہا "اور سحابی کے ہونٹ لبسورتے دیکھ کر ہنسنے لگا۔
"نہیں نہیں آپ اسے چھوڑ آیئے" نگار نے سحابی کی تائید کی۔
"پریشان ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ گرمی کی چھٹیوں میں آکر خربوزے وغیرہ

جی بھر کے کھائے گی۔"

"اکیلی چلی جاؤ گی؟" ریاض نے پوچھا۔ "دو ایک دن اور ٹھہر جاؤ تو پھر میں رخصت لے کر چلوں گا تمھارے ساتھ۔"

مگر سحابی نے اس کی ایک نہ سُنی۔ اور اسی رات کو اپنا اٹیچی کیس درست کر کے صبح کی گاڑی سے چل دی۔ راستے بھر دعائیں مانگتی گئی کہ اللہ میاں وہ ابّی کو ہر طرح تندرست اور صحت مند دیکھے۔ پھر گھر پر ٹیکسی رُکی تو وہ الٹا سیدھا کرایہ دے کر اندر بھاگی۔ رضیہ اس سے لپٹ گئی۔ پتہ چلا کہ ابّی شمارب کو لے کر بڑے اسپتال گئے ہیں۔ سحابی نے دھک دھک کرتا دل تھام لیا۔

"اللہ بی بی! تم نے دس دن کیا لگا دیے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر سے دس صدیاں بیت گئیں۔" رضیہ بولی۔ "صاحب کے سینے میں ہر وقت درد رہنے لگا تھا پیٹھ میں کسک ہوتی تھی۔ انھیں بھیا لے کر دوا غانے گئے ہیں۔ تشویش کی کوئی بات نہیں۔"

"کھاتے پیتے تو ہیں چین سے؟" سحابی نے پوچھا۔

"میں اپنے ہاتھ سے کھلاتی ہوں۔" رضیہ فخر آمیز انداز سے گردن اکڑا کر بولی۔ "ہزار نہیں نہیں کرتے ہیں مگر میں بھلا سننے والی کہاں ہوں۔"

"اسی لیے تو ابّی نے تمھیں بھوتنا چاہا ہے۔"

"بی بی بس یہ ہی مذاق ہیں تو اچھے نہیں لگتے۔" رضیہ بولی پھر چونکی "اور ایک خبر سنو! اللہ رکھے پھر ایک شاندار پیغام آیا ہے تمھارے لیے۔ ان لوگوں کو بڑی جلدی ہے۔ اسی لیے تو صاحب نے تمھیں جلدی کر کے بلایا ہے۔ وہ لوگ بھی عجلت کر رہے ہیں اور صاحب کو بھی بہت جلدی ہے کہ کہیں پھر بھلا مخواہ کوئی رنگ میں بھنگ نہ ڈال دے۔"

"نہیں " سجاآپی نے گال تھام لیے۔

"بی بی! کیا تم نے مجھے نمبر ایک کی جھوٹی مقرر کیا ہے کہ میری بات کا یقین ہی نہیں کرتیں۔" رضیہ بڑے زور سے بگڑی " تو پھر جاؤ صاحب ہی سے اپنی شادی کی ساری تفصیل پوچھ لو۔ میں اب کچھ بھی نہیں بتانے کی "

" اللہ میری رضیہ! "

" نہیں نہیں میں تو جھوٹ بولتی ہوں " رضیہ بگڑی ہی رہی۔ سجاآپی نے اس کا سر سہلایا، خوشامدیں کیں تب کہیں جا کر رضیہ صاحبہ نے فرمایا:

" مجھ سے صاحب نے بس اتنا کہا ہے ایک بڑا شاندار رشتہ آیا ہے۔ سجاآپی سے کہہ دینا صاحبزادے اچھی جگہ کام کر رہے ہیں۔ صورت شکل کے بھی بہت اچھے ہیں۔ ساس سسر کا جھگڑا تو بے شک ہے۔ مگر نند جیٹھ اور دیور وغیرہ کوئی نہیں بی بی مزے کریں گی۔ لیکن ان لوگوں کو بے حد جلدی ہے۔ بس یہ چاہتے ہیں کہ تم منظوری دے دو تو فوراً انھیں جواب دے دیا جائے۔ صاحب کو بڑی بے چینی ہے بی بی! ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ان کا بس چلے تو وہ آج تمھاری شادی کر دیں۔ بے چارے ڈرتے ہیں کہ کہیں پھر کوئی اڑچن نہ پیدا ہو جائے۔ بی بی! تم تو بس جلدی سے اقرار کر لو "

" ابّی سچ ہی تو ڈرتے ہیں رضیہ " سجاآپی نے ملول ہو کر کہا " میری نحوست انھیں بھی سکھ سے جینے نہیں دیتی۔ رضیہ میرا اقرار یا انکار کیا۔ میں تو ہر مرتبہ ابّی کی مرضی پر سر جھکاتی چلی آئی ہوں۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں۔ میں تو خدا کی قسم یہی چاہتی ہوں کہ میرے ابّی کی چھاتی پر رکھا ہوا بوجھ کسی صورت سے ہٹ جائے "

" ایسی واہیات باتیں صاحب کے سامنے نہ کر دینا بی بی وہ بجھیں

گے کہ تم بدرجۂ مجبوری راضی ہوئی ہو۔" ورنہ تمھاری یہ اداس شکل، مغموم انداز صاحب کی بیماری بڑھادیں گے۔"

"نہیں رضیہ میں جب بھی ابّی کے سامنے جاؤں گی ہنستی ہوئی جاؤں گی تم فکر نہ کرو۔" اس نے کہا پھر اپنے آنسو ضبط کر کے بولی۔" آج بچے نہیں آئے؟"

"لو۔ میں تم سے کہنا بھول گئی تھی۔" رضیہ نے کہا۔" وہ لوگ کوئی ہفتہ بھر پہلے کہیں گئے ہیں۔ امریکہ سے بچوں کے بڑے چچا آئے تھے۔ ان سے ملنے کے لیے فاران بھیا سب کے ساتھ چلے گئے۔"

"کہاں گئے؟" سحابی چونکی۔

"کوئی نام تو لیا تھا۔ مگر مجھے یاد نہیں آرہا ہے۔"

"اچھا ہوا چلے گئے۔" سحابی نے اطمینان سے کہا۔" میرے نتھنوں میں دم کردیا تھا اس آدمی نے۔ خدا کرے کبھی نہ آئے۔۔۔ البتہ بچوں کا افسوس ہو رہا ہے بینا کتنی پیاری تھی۔ بالکل گڑیا جیسی۔"

"نگار باجی تو اچھی ہیں؟" رضیہ نے پوچھا۔

"ہاں کچھ بچے وچے کا بھی جھگڑا ہے۔" سحابی مسکرائی۔

"اللہ کرے کہ ایسا جھگڑا تمھارے یہاں بھی ہو۔" رضیہ بولی۔

"دیوانی۔" سحابی نے آنکھیں نکالیں پھر بولی۔" رضیہ سنو! میں تو حیران رہ گئی۔ ارے بالکل فاران کا سا ایک آدمی مجھے ناگپور میں ملا تھا۔ بال برابر جو فرق ہو دونوں میں۔ صرف اتنی سی بات تھی کہ یہ مسلمان ہیں وہ انگریز تھا ان کا لہجہ صاف ستھرا ہے وہ بے چارہ کچھ لکنت سے بولتا تھا۔ تم اگر دیکھیں تم بھی تعجب سے سُن رہ جاتیں۔ میں تو پہلے یہی سمجھی تھی اور خوب جھاڑا تھا بیچارے کو۔" وہ ہنس پڑی۔"

"ہاں ہاں مجھے پتہ ہے کہ تم تو چلتی ہوا سے لڑتی ہو" رضیہ نے اُسے چھیڑا۔
سحابی نے کپڑے نکال کر غسل خانے کی راہ لی۔ تھوڑی دیر بعد شارب اور سید صاحب بھی آگئے۔ سحابی باپ کے گلے سے لگ گئی۔ سید صاحب کی آنکھیں نم ہوگئیں "خدا کا شکر ہے بیٹی! کہ تم آگئیں۔۔۔۔ وہاں تو سب اچھے ہیں؟" وہ اس کی پیٹھ تھپکنے لگے۔ شارب نے کہا "ابی! آپ کا یہ حال ہے آپ بجیا کی شادی کے بعد اکیلے کیسے رہیں گے؟"
سحابی نے اُسے خونخوار نگاہوں سے گھورا اور سید صاحب کو آرام سے لانگ چیئر پر لٹا دیا۔ پھر ان کی خیریت پوچھنے لگی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سید صاحب سو گئے اور شارب سحابی کے کمرے میں گھس آیا۔
"چلو بجو کم سے کم ایک من مٹھائی کھلاؤ" شارب نے کہا "ایک ایسا شاندار پیام تمھارے لیے آیا ہے کہ اس کے سامنے وہ سب پچھلے الو کے پٹھے ایک دم گرد ہوکر رہ گئے۔ جلدی سے تیاری کر لو۔ ایک ہفتہ اور باقی ہے"
"جھوٹے" سحابی نے کہا۔
"نہیں بجیا! اللہ قسم سچ" شارب سنجیدہ ہوگیا "ابی کی خاطر تمھیں فوراً راضی ہونا چاہیئے۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ابی محض پچھلے صدموں کی وجہ سے بیمار پڑے ہیں۔ وہ جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے ہیں۔ کہ کہیں خدانخواستہ پھر کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"
"کیا صاحب کو اندیشہ ہے کہ بی بی راضی نہیں ہوں گی" رضیہ نے نمدرگوں کی طرح دخل دیا "آپ اُن سے کہہ دیجئے جو اُن کا جی چاہے کریں"
"ارے اب تو انھیں صاحب اور بجیا کو بی بی مت کہو رضیہ بیگم کیا تمھیں خبر نہیں کہ تم بھی عنقریب بیگم شارب بننے والی ہو اور محترمہ سلطانہ رضیہ"

کہلاؤگی" شارب نے اطمینان سے کہا۔

"آپ سن رہی ہیں" رضیہ نے فریاد کی۔

"وہ کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا ہے" سحابی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا آپ یہاں سے جائیے اور سید صاحب سے کہہ دیجئے کہ تیاری کریں" رضیہ جھلا کر بولی۔

"نکاح کے پہلے تو ایسی حکومت نہ کرو" شارب نے بے بسی سے کہا۔ جب رضیہ بگڑ کر جانے لگی تب وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ رضیہ سرخ ہو کر سحابی کی طرف پلٹی "کیا فائدہ۔ ایسے مذاق کر کے مجھے الو بنانے سے"

"الو تو تم بنی بنائی ہو" سحابی کو ہنسی آ گئی "ارے پاگلوں کی دادی کیا اب بھی اس بات کو مذاق سمجھتی ہے؟ ابی نے سب کچھ طے کر دیا ہے۔ وہ تجھے بہت چاہتے ہیں۔ میری تو تو بہن ہے ہی۔ میرا بھیا بھی تجھے بہت پسند کرتا ہے۔ کیا ہم سب چاہنے والوں کو چھوڑ کر تم کسی اور گدھے کے ساتھ چل دوگی؟"

رضیہ کو کسی نے پاتال سے اٹھا کر محبت کے عرش پر بٹھا دیا۔ اسے خبر بھی نہ لگی کہ کب اس کی تقدیر نے ایسی حسین انگڑائی لی تھی۔

سحابی کی مرحوم والدہ عصمت جہاں اپنی زندگی میں بہت کچھ جمع جوڑ کر گئی تھیں۔ سید صاحب نے رضیہ کی مدد سے صندوق کھلوائے۔ ان میں ایک لڑکی کا سارا جہیز کم و بیش مکمل رکھا تھا۔ کپڑے، زیورات الگ بڑے صندوق میں کانچ کے برتن تھے۔ سید صاحب کے سینے سے طمانیت کی گہری سانس آزاد ہوئی۔

سحابی کو اب تک پتہ نہ تھا کہ کون صاحب اس کی قسمت کے ساتھی بننے والے ہیں۔ اس سے کہا بھی کون... شارب سے پوچھتے ہوئے حیا دامنگیر

ہوتی تھی۔ رضیہ کو خود کچھ پتہ نہ تھا۔ اور سید صاحب سے پوچھنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ سحابی تن بہ تقدیر خاموش ہو بیٹھی۔ جو کچھ بھی ہو جلدی سے ہو جائے اس کے پیارے ابی کو کچھ تو سکون و فراغت ہو۔ اسے خود بھی اندیشہ تھا کہ کہیں پھر کوئی ایسی بات نہ ہو کہ یہ رشتہ بھی گڑبڑ ہو جائے۔ اب تو وہ سید صاحب کو بے انتہا خوش اور بے پناہ مسرور دیکھ رہی تھی۔

وہ گوشہ نشین ہو گئی۔ گھر میں محمد عمر صاحب کی بیوی اور بہن چار چھ روز قبل ہی آ گئی تھیں۔ ایک الگ کمرہ جہیز کے لیے خالی کر دیا گیا تھا۔ اس میں رضیہ اور عمر صاحب کی بہن نے مل کر سارا جہیز سجا دیا۔ سید صاحب اپنی مفروضہ بیماری یکسر فراموش کیے ہوئے عمر صاحب کے ساتھ شو پنگ کرتے رہتے۔ گھر میں شادی کی چہل پہل تو تھی مگر ایسی دھوم دھام نہیں تھی۔ کیونکہ دولھا والے نہایت سادگی پسند تھے۔ اور سید صاحب خود بھی شرع کے سختی سے پابند تھے سحابی کو عمر صاحب کی بیوی نے شادی سے چار روز قبل زرد کپڑے پہنا کر مانجھے بٹھا دیا تھا۔ رضیہ اس کی گنتی کی سہیلیوں کو کارڈز دے آئی تھی۔ بہت کم مہمان تھے۔ عزیز اقارب کا تو کوئی نام نشان ہی نہیں تھا۔ اتنے کم لوگ تھے کہ انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے تھے۔

سحابی اب آزادانہ طور پر باغ کی طرف کھڑکی کھولے باغ میں دیکھا کرتی۔ سامنے والی خوشنما سبز کوٹھی ویران پڑی تھی، کھڑکیاں بند تھیں، دروازوں پر قفل لٹکے سوئے تھے۔ باغ پر ویرانی چھا گئی تھی۔ نہ وہاں فاران کی شخصیت تھی نہ بچوں کا وجود۔ سب کچھ اداسیوں کے دبیز پردوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سحابی نے سوچا۔ اگر آج کے دن فاران ہوتے تو نہ جانے کیا کیا شرارتیں کر کے اس کا ناک میں دم کر دیتے۔ بیکار ہی اس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ وہ ان کی

کھلی کھلی شرارتوں سے ڈرنے لگی تھی۔

اس نے دعا مانگی کہ فاران یہاں کبھی نہ آئیں اور سر کھڑکی سے ٹیک دیا ـــــ اور تبھی اس کے ملازم غفور نے اسے دوپہر کی ڈاک پیش کی۔

"جانِ فاران! خوش رہو!

تم نے ہماری محبت اور جاں نثاری کا بہت اچھا صلہ دیا۔ واہ کیا کہنے۔ بھئی کسی نہ کسی توقع پر ہی تو ہم نے جان کی بازی لگائی تھی لیکن تمھارے نزدیک وہی بات ہوئی کہ میری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ لیکن خیر۔ جب میں نے دیکھا کہ تم ایسے ملتفت نہیں ہوتیں تو میں نے بھی اپنی محبت کا رخ پھیر لیا۔ پتہ چلا کہ تم ایسی حسین نہیں کہ آدمی تمھیں دیکھ کر بے ہوش ہو جائے۔ رہا بات چیت کا انداز تو ایسا لگتا ہے کہ سچ مچ جب کسی سے گفتگو کرتی ہو تو اسے کاٹ کاٹ کھاتی ہو۔ سنا ہے کہ تمھاری شادی ہو رہی ہے۔ بھئی ایک مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے دولھا میاں کو نوچ نہ کھانا۔ ورنہ وہ بے چارے پہلی ہی رات کو کوئی سدھار جائیں گے۔ اف سحابی میں نے تمھاری خاطر کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔ مگر تم نے ان کا یہ صلہ دیا ہے کہ دوسری جگہ شادی رچا رہی ہو۔ تم کہو گی کہ کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں اگر کلیجے میں بوتہ ہو تو سنو! کہ جب بھی تمھارا کوئی پیغام آیا تمھارے صرف اسی خاکسار نے بھکا بھڑکا کر تمھارے دروازے سے چلتا کر دیا

تھا۔ پہلا رشتہ جو تمھارا آیا تھا اسے یہ کہہ کر میں نے ورغلایا کہ تم انتہائی بدشکل اور بداخلاق ہو۔ وہ یوں گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔۔۔ مجبوری یہ بھی کہ صرف میں ہی تھا جو سید صاحب کو تسلیاں بھی دیتا تھا کیا کرتا۔ ان کی مظلومی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ شاید تم میری طرف ملتفت ہو جاؤ۔ کیونکہ میں تم سے بدرجہا حسین، شکیل اور وجیہہ ہوں۔ خوش اخلاقی میں تم میری گرد کو نہیں پہنچ سکتیں۔ میں تمھاری طرف دیکھ کر مسکراتا تھا اور تم لومڑی کا سا منہ بنا کر چہرہ پھیر لیتی تھیں میں نے سوچا تھا کہ تم سے انتقام ضرور لوں گا۔ پھر تمھارا دوسرا رشتہ ایک گودھے ڈاکٹر کا آیا۔ میں بھی اس وقت موجود تھا جب ان لوگوں نے تمھیں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ بھلا ایک کالی کلوٹی اور چپٹی سی لڑکی کو دیکھ کر یہ لوگ کیا کریں گے وہ تو غنیمت ہوا کہ تم نے مارے بے تابی کے اپنی انگلی بھر کی تصویر بھیج دی اور ڈاکٹر صاحب کا ذوقِ نظر مجروح ہونے سے بچ گیا۔ وہ تصویر میں اس لیے اپنے ساتھ لے گیا کہ جب کسی کی نگاہ اس پر پڑے گی تو اس کی آنکھوں میں درد شروع ہو جائے گا۔ اور اب بدنما تصویر کا انلارجمنٹ آج بھی میرے گھر میں موجود ہے۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں ایسے بدشکل لوگ بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب تم سے قسمت پھوڑنے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ لہٰذا میں نے ان کے گھر بنفس نفیس تشریف لے جا کر ان سے کہا کہ جناب! لڑکی حد سے زیادہ بد دماغ چڑچڑی اور بدصورت ہے۔ چنانچہ وہ بے چارے شریف آدمی اس جہاد سے باز آئے۔ ادھر میں نے سید صاحب موصوف سے بات

بتائی کہ وہ لوگ زیادہ رقم طلب کر رہے ہیں اور انھیں قطعی منع
کر دیا کہ وہ شاطر سے ملاقات نہ کریں۔ وہ کم بخت بھانڈہ پھوڑتی
اور تم آٹھ آٹھ آنسو روتیں۔ وہ قصہ بھی ختم ہوا۔ کیا تم میری
شکر گزار نہیں؛ تم کیا جانو کہ شریف آدمی شکریہ کس طرح ادا کرتے
ہیں؛ تقدیر کا برا ہو۔ پھر ایک چندہ صاحب اور ٹپکے۔ شاید ان
سے تمھاری بات پکی ہو ہی جاتی۔ لیکن مجھے تمھاری بد زبانیوں کا
انتقام لینا تھا۔ تم نے مجھے کئی بار لفنگا، آوارہ، بد نظر، بدمعاش
اور بیہودہ اور پتہ نہیں کیا کچھ بنایا تھا۔ میں نے سب کچھ اپنی
ڈائری میں نوٹ کر رکھا ہے۔ وقت آنے پر سناؤں گا۔ ہاں تو محسن
صاحب گوند لگا کر چپکنے والے تھے۔ منگنی تک مقرر ہو گئی تھی۔
خدا کی پناہ! میری ذہانت کی داد دو کہ میں نے انھیں فرضی
نام سے خط لکھ کر عین وقت پر اکھاڑ دیا کہ تم کریک ہو۔ بخدا ہنسی
آ رہی تھی مجھے۔ جب محسن صاحب نے میرے خیال کی تائید کی
تھی کہ تم سچ مچ کریک ہو۔ ویسے ان کے فرشتوں کو بھی خبر
نہیں تھی کہ خط میں نے لکھا تھا۔ لطف یہ مستزاد تھا کہ وہ بار بار
بھڑکتے تھے۔ وہ رہ کر فرار پر تولتے تھے اور میں سید صاحب
کا واسطہ دے دے کر روکنا چاہتا تھا۔ بے چارے کو شبہہ
تک نہیں ہوا کہ اس کارروائی میں میرا ہاتھ ہے۔ وہ بہر حال
عین وقت پر اس طوطے کی طرح دیدے پھیر کر اڑ گئے جیسے قفس کا در
کھلا ملا ہو۔ ایک مرتبہ پھر داد دو میری ہوشیاری کی۔ نہیں نہیں
شکریہ مت ادا کرو... آہ سجانی! تم پوچھو گی کہ فاران صاحب

محترم! یہ سب کچھ آپ نے کیوں کیا؟ اب اس کیوں کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں؟ میں تو سمجھتا تھا کہ تم پڑھی لکھی ہو۔ خاموش نگاہوں کے مفہوم کو بخوبی سمجھ سکوگی۔ مگر تم تو بالکل کودن نکلیں۔ سوائے پنجے مارنے، نوچنے اور جھنجھوڑنے کے کبھی تم نے میری معصوم آنکھوں میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ اس کا شکوہ تو مدتوں رہے گا... میں ہمیشہ تمھارے پیچھے رہا ہوں۔ کبھی احسان احمد کے روپ میں، کبھی فاران کے نام سے اور احمق لڑکی کبھی جان آرتھر کی شخصیت میں۔ کمال ہے کہ تم اتنے سادہ سے چکمے میں آگئیں۔ اور بیچارے آرتھر سے ملنے پھر پہنچیں۔ جی ہاں، اس بدبخت باغبان نے میری تائید میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ بے چارہ تو پس پانچ روپے میں پچاس بار کہہ سکتا تھا کہ جان صاحب پچھلے سال بھر سے اس پارک میں روز آرہے ہیں ہاہاہا! کہو کیسا بنایا ہے۔

مجھے سب خبر رہتی تھی تم کہاں گئی ہو؟ کیوں گئی ہو؟ کب آؤگی میں تو تمھارا سایہ بننا چاہتا تھا۔ تمھارے نام کی مناسبت سے میں نے اپنا نام فاران رکھا تھا کہ شاید کبھی سحاب کرم سرفاراں پر برس ہی جائے۔ لیکن آہ بے وفا لڑکی! تم دامن بچاتی پھر رہی ہو شاید قسمت تمھارا ساتھ دے رہی ہے کہ میں چند ہفتوں کے لیے دلھن ڈھونڈنے جا رہا ہوں... اور نہیں کہہ سکتا کہ کس نام سے اور کب میں تم سے مل سکوں گا۔ مگر میں تمھاری زندگی میں ایک بار ضرور آؤں گا۔ بہار کے اس موسم کی طرح جو جاتا ہے اور پھر واپس آتا ہے۔

خبردار کسی بن مانس سے شادی نہ کر لینا۔ ورنہ پانی

پی پی کر تمھیں کوسوں گا جس طرح اب تک تم مجھے کوستی رہی ہو۔

خدا حافظ"

سحابی نے بڑے صبر و سکون سے خط ختم کیا اور مارے حیرت کے پتھر کا بت بن کر بیٹھ گئی۔ دیر تک یونہی بے خبر بیٹھی رہی۔ خط اس نے زانو تلے چھپا لیا تھا۔ کوئی دیکھ لیتا تو کیا سمجھتا؛ پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ ساتھ ساتھ روئی بھی اور ہنسی بھی۔ روئی اس لیے کہ اس بدمعاش نے اسے جانے کیا کیا لکھ دیا تھا۔ بدصورت، بدشکل، بدنما، بداخلاق اور جانے کیا کیا۔ سارے زمانے کی بدیاں اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں اور اپنی تمام بیہودگیوں سمیت خود نتھرا ستھرا الگ ہی رہا تھا۔ سحابی نے انگلیاں چٹخا کر اُسے کوسا۔ کیوں آخر اس نے سارے پیغام خراب کیے تھے۔؛ کیوں لوگوں کو بھکا تا رہا تھا۔ اس سے اس کا مقصد کیا یہی تھا کہ اس مکار سے اس کی شادی ہو جائے؛ اس دغاباز جعل ساز سے شادی کرتا ہی کون تھا؛ خدا کی پناہ کیسے کیسے دھوکے دیے ہیں اُس نے۔ نام بھی الگ الگ رکھ لیے۔ احسان احمد، فاران، جان آرتھر۔ ایسا بدمعاش آدمی کبھی نظروں سے نہیں گزرا تھا بدمعاش! در پردہ ابی کا خیر خواہ بھی بنا تھا۔ اس پر اللہ کی سنوار ہو۔ اگر ابی یا شارب کو معلوم ہو جاتا تو پھر وہ تو اسے جیل کروا دیتے۔ بے چارے معصوم سے ابی کو اس بدنہاد نے کیسا دھوکا دیا۔ اچھا ہوا کہ نظروں سے دور ہو چکا۔ واقعی اللہ نے ایسا سامان کیا ہے۔ ورنہ وہ ناشدنی پھر اس شادی میں بھی کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور ڈال دیتا۔ خدا کرے کہ شادی کے بعد تک نہ آئے۔ وہ اپنے میاں سے کہہ کر خود بھی کہیں چلی جائے گی۔ جہاں اس کا سایہ تک نہ ہوگا۔

اس نے پرزے پرزے کر کے خط باہر پھینک دیا۔ اور خود پر لعنت بھیجنے لگی۔ کہ آخر وہ آرتھر کے روپ میں فاران کو کیوں نہ پہچان سکی۔ کیسے موٹے موٹے پتھر پڑ گئے تھے عقل پر۔ وہ تنہائی میں کس طرح ہنسا ہو گا۔ وہ جو بڑی تیز طرار بنی تھی کیسی آسانی سے دھوکا کھا گئی۔ مگر اس نے لہجہ بھی تو بدل لیا تھا۔ نکار اعظم تھا۔ اچھا ہوا کہ کہیں چلا گیا۔ ذرا غیرت ملاحظہ ہو کہ آپ خود اپنے کرتوتوں کی رپورٹ بھی اپنے قلم سے تحریر فرما رہے ہیں۔ شاید شاباشی ملنے کی امید ہو گی۔

وہ میرا بدترین دشمن تھا۔ قدم قدم پر اس نے مجھے زک دی تھی۔ رلایا تھا ستایا تھا۔ کاش وہ اس سے بدلہ لے سکتی۔ وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔

رضیہ کافی لے کر کمرے میں آئی۔ وہ بھی زرد کپڑے پہنے تھی۔ اور بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ سحابی کو کھڑکی کھولے آرام سے بیٹھی دیکھ کر وہ مسکرائی پھر آہستہ سے آہ بھر کر بولی:

"تمھیں اب اطمینان ہے باجی! کوئی تمھیں چھیڑنے والا نہیں۔ وہ تو چلے گئے۔ مگر مجھے معصوم بچے بہت یاد آتے ہیں۔ بے چارے بن ماں کے بچے تھے۔"

سحابی کے دل پر دھکا لگا۔ وہ بچے اس کی محبت کے پیاسے تھے۔ اس نے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "ہاں اگر فاران صاحب شادی کر لیں گے۔ بچوں کو ماں مل جائے گی۔"

"نہیں بجیا! وہ بچے فاران بھائی کے نہیں تھے۔ یہ تو انھوں نے ہم سے یونہی کہا تھا۔ چھپانا چاہتے تھے اپنی بات۔"

"پھر وہ تینوں بچے کس کے تھے؟" سحابی حیران رہ گئی۔

"ان کی مرحوم چھوٹی بہن کے بچے ہیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی

خاطر ولایت گئی تھیں۔ تعلیم تو نہیں حاصل کی۔ ایک بدمعاش آدمی سے اُن کی دوستی ہوگئی۔ دونوں نے والدین کی لاعلمی میں وہیں شادی کرلی۔ یہ بچے وہیں پیدا ہوئے۔ مگر فاران بھائی کا بہنوئی اچھا آدمی نہیں نکلا۔ اس نے اُن کی بہن کو بہت سی تکلیفیں دیں۔ اور یہ بچی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ اپنی بیمار بیوی اور دو معصوم بچوں کو چھوڑ کے کہیں بھاگ گیا۔ تب ان کی بہن نے ماں باپ کو خبر کی۔ فاران بھائی امریکہ گئے۔ ان کے جانے کے بعد ان کی بہن ختم ہوگئیں اور وہ اُن کے بچوں کو لے کر ہندوستان واپس آگئے۔"

"تمھیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" سحابی متحیر تھی۔

"تمھارے جانے کے بعد ان کے ڈیڈی اپنے ابّی سے ملنے آئے تھے۔ انھوں نے ساری باتیں بتائیں۔ میں سب سن رہی تھی۔" رضیہ مغموم لہجے میں بولی

"تو پھر فاران نے انھیں اپنے بچے کیوں مشہور کیا تھا؟" سحابی نے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا اور خالی پیالی میز پر رکھ دی۔

"اب یہ میں کیا جانوں باجی! ان کی اپنی کوئی بات ہوگی۔" رضیہ نے کہا اور پیالی لے کر چلی گئی۔ سحابی بیٹھی سوچتی رہی۔ پتہ نہیں۔ اور دوسری چالاکیوں کی طرح یہ بھی فاران کی ایک چالاکی ہو۔ ایسے خطرناک آدمی کا کیا بھروسہ؟"

وہ بہرکیف دعا مانگتی رہی کہ فاران اس کی شادی تک واپس نہ آئیں۔ البتہ ایک کانٹا اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

وہ بچے کیسے پیارے پیارے تھے۔ چھ سال کا بھولا بھالا مجتبیٰ، چار سال کا بھولا سا پپّی اور کافور کی نرم نازک گڑیا کی سی بے بی مینا۔ وہ اس کی محبت میں بھاگے آتے تھے۔ کیسے پیارے انداز میں ہنس کر اس کا چہرہ

نگتے تھے کہ وہ بھی ہنس رہی ہے یا نہیں۔ پتہ نہیں اب کہاں ہیں؛ کیا وہ بھی اُسے یاد کرتے ہوں گے؛ بے بی مینا اس کی یاد میں روتی ہو گی؛

سحابی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"میرے بچے۔ کاش میں کچھ کر سکتی تمہارے لیے۔ میں جہاں رہوں گی دعا مانگتی رہوں گی۔ خدا کرے تمھیں ایک محبت کرنے والی ماں ملے۔

تیسرے روز شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا۔ دوسرے دن شارب اور رضیہ کا عقد تھا۔

بعدِ مغرب نوشاہ کی آمد آمد تھی۔ گھر میں بہت کم مہمان اِدھر اُدھر بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ اُس کی سہیلیوں میں صرف کنگ اور ضیاء آئی تھیں۔ سحابی اپنی مسہری پر گم صم بیٹھی تھی۔ اس کا دل رگ رگ میں دھڑک رہا تھا۔ امی کی جدائی کا جانگسل غم اُسے پگھلائے دے رہا تھا۔

شارب سے بھائی کے بچھڑنے کا صدمہ تھا۔

پتہ نہیں کیسا آدمی اس کی زندگی میں آئے گا؛ وہ تو کچھ جانتی بوجھتی نہیں تھی کہ اُسے اپنے ہونے والے شوہر کا نام تک معلوم نہیں تھا۔

بہر حال "تن بہ تقدیر" بیٹھی آنے والی ساعتوں کا انتظار کرتی رہی۔ اندر باہر کا ملا جلا شور ایک آہنگ مسلسل بن کر اس کے کانوں سے ٹکرا رہا تھا۔ کوئی بات بھی بامعنی ہو کر اس تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ تو اپنے ہی افکار میں ڈوب رہی تھی، ابھر رہی تھی۔

بعدِ مغرب دولھا کی آمد آمد کا غلغلہ مچ گیا۔

"میرے اللہ" سحابی نے سرد ہو کر تکیے پر سر رکھ دیا۔

بہت سی خواتین یکبارگی کمرے میں گھس پڑیں۔ اور پھر تنی خوشبوئیں اڑیں

پھر نکاح کا ہنگامہ جاگ اُٹھا۔

ابّی بے چارے اُس سے پوچھنے آئے۔

"احمد فواد ابن احمد حسن سے تمہارا نکاح ——"

رضیہ اس کے پیچھے بیٹھی تھی۔ سحابی کا دل پھوٹ پھوٹ کر آنکھوں کی راہ بہنے لگا۔

"میرے ابّی" اس نے سسک کر رضیہ کے گھٹنے پر پیشانی ٹیک دی۔

نکاح کے بعد ہنگامہ جاگ اٹھا۔ مبارک سلامت کے ترانے گونجے۔

کنگن اور رضیہ مل کر اسے شاہانہ عروسی لباس پہنانے لگیں۔ بڑا حسین لباس تھا۔ جگ مگ کرتے زیور —— ذرا سی دیر ہی میں وہ دلھن بن گئی۔ بڑی حسین لگ رہی تھی۔ پھر آرسی مصحف کی رسم ہوئی۔

اور تب رخصتی کے وقت اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔

خدا نے بہر حال بخیر و خوبی اسے اور ابّی کو اس مرحلے سے گزار دیا تھا۔

ورنہ اگر وہ دشمنِ جان فاران یہاں ہوتا تو جانے کیا گڑبڑ گھٹالا کرتا۔

پتہ نہیں یہ احمد فواد صاحب اچانک کہاں سے آ گئے؟ کیسے آدمی ہیں؟ خدا ہی خیر کرے۔ وہ ابّی کے سینے سے لگ کر زار و قطار روئی۔ ابّی نے اس کی پیشانی چومی۔ اور کچھ بول نہ سکے۔ آنسوؤں نے الفاظ کا گلا گھونٹ ڈالا تھا۔۔۔ "بیٹی! سدا خوش رہو" وہ ہزار کوشش پر یہی کہہ سکے۔

شارب نے اُسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اور اس کی چمکتی ہوئی مانگ پر اپنے لب رکھ دیے۔ پھر کھنکھار کر بولا "بڑی خود غرض ہو بجیا! شادی کر کے بھاگی جا رہی ہو۔ مگر کل آ ؤ گی نا مجھے دولھا بنانے کے لیے۔ آج تو رضیہ بیگم کے بڑے ٹھاٹھ تھے۔

وہ روتے روتے مسکرائی۔

گیٹ پر اس کے لیے خوبصورت گاڑی پھولوں سے ڈھکی چھپی کھڑی تھی۔ تب ہی اس نے بالکل قریب اپنے تقدیر کے ساتھی کو دیکھا۔ پھولوں کی لڑیوں سے اس نے سیاہ چمکتے ہوئے بوٹ دیکھے اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ رضیہ روتی دھوتی اس سے چمٹ گئی۔ ابّی نے آگے بڑھ کر ان کے گرم و مضبوط ہاتھ میں اس کا کمزور سا ننھا سرد ہاتھ دے دیا۔ پھولوں سے ڈھکی کار دولھا دلھن کو لے کر چلی گئی۔

وہ بڑے آراستہ و پیراستہ کمرے میں اتاری گئی تھی۔ یہاں بڑی مہذب خواتین تھیں۔ نہ کوئی رسم ہوئی، نہ بے جا ہنگامہ اور شور و غل تھا۔ اسے بے حد سکون محسوس ہوا۔ شادی کی غلط سلط رسموں اور غل غپاڑے سے اسے قلبی نفرت تھی۔ اس نے اطمینان سے سوچا کہ ابّی نے سچ مچ بڑا اچھا رشتہ تلاش کیا ہے ــــ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے لگی کہ ہمیشہ کے لیے فاران سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا۔ وہ جب ڈھونڈی سے واپس آئیں گے تو کس طرح پیچ و تاب کھائیں گے۔ اور کس طرح اسے برا بھلا کہیں گے۔

گپ چپ سی وہ مسکرائی۔ آخر اس نے فاران کو شکست دیدی اور تب ہی بڑا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ پھر بند ہو گیا۔ ایک اجنبی سی مہک اڑی۔ کوئی کمرے میں آیا تھا۔ سحابی کا دل پسلیوں میں تڑپنے لگا۔ ہاتھ پاؤں پھر ٹھنڈے ہو گئے اور ہونٹ خشک ہو گئے ــــ اُس نے سر جھکا لیا۔

"خاکسار کا سلام قبول کیجئے محترمہ!" ایک جانی پہچانی شریر آواز اس کے پاس گونجی۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا اور اس نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا!

"آپ —— ؟" گلاب کی نازک نازک پنکھڑیاں کانپیں اور پھول سا چہرہ سفید ہو گیا۔

"جی... میں" فاران ہنس رہے تھے "آپ سے عرض کیا تھا کہ نہیں کہہ سکتا کس نام سے اور کب میں تم سے مل سکوں گا —" انھوں نے اس کا چھوٹا سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا۔

"سحابی!" ایک جھنکار تھی کسی اجنبی ساز کی —

مگر وہ کیا بولتی — نیم بے ہوش تھی۔

وہ اس کے پاس بیٹھ گئے اور اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر دیا۔

"دیکھا! میں نے تم سے بدلہ لے ہی لیا" ان کا مسرور قہقہہ کمرے میں گونجا "اُفوہ! تمھاری تمام خفگیاں مجھے یاد آرہی ہیں۔ کیا اب بھی خفا ہو؟ معاف کر دو۔ بڑی مشکل سے تمھیں حاصل کیا ہے۔ کیسے کیسے دھوکے لوگوں کو دیے ہیں۔ خدا کی پناہ! مگر میرے خط کا جواب کہاں ہے؟"

وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی۔ ہرگز یقین نہیں آرہا تھا کہ احمد فواد فاران کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیا انھوں نے کوئی نئی شرارت کی تھی... وہ گم صم بیٹھی رہی۔ مگر ایسی بھی کیا شرارت؟

"بھئی کیا کرتا" وہ کہتے رہے "تم مجھے بہت اچھی لگی تھیں۔ تمھارا مثالی کردار میری محبت کا باعث بن گیا تھا۔ تم تعلیم یافتہ تھیں، اسی گنہگار زمانے کی پروردہ تھیں۔ مگر تم تو روشنی کا مینار تھیں۔ سحابی! یہ تمھاری

طرف دیکھ کر قصداً مسکراتا تھا۔ چھیڑتا تھا تمھیں۔ لیکن تم نے آج کل کی لڑکیوں کی طرح ایک مرتبہ بھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی۔ نہ تو میری طرف دیکھ کر جواباً مسکرائی تھیں۔ نہ گفتگو کی خواہش مند تھیں۔ میں تمھارے حسین و انفرادی کردار سے بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ اس سے اپنی زندگی کی ساری کہانی بہت تفصیل سے کہنے لگے جو وہ رضیہ سے سن چکی تھی۔ اور پھر انھوں نے اس کا حنائی ہاتھ تھاما اور اپنے لبوں پر رکھ لیا۔

"اور جب میں تمھیں شادی کی محفل سے لے بھاگا تھا سچ مچ میں نے بڑی بُری حرکت کی تھی۔ مگر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میرے قرب سے پگھلتی ہو یا نہیں۔ لیکن تم نے اسے بھی غنیمت نہ جانا۔ بپھر گئیں۔ مجھے گالیاں دیں، کوسنے دیے، برا بھلا کہا اور پھر تمہارا طیش آنسو بن کر بہہ نکلا۔ تم نے مجھ پر دو ہنٹر رسید کیے۔ میرے بال مٹھیوں میں جکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔ اف سحابی! خدا بہتر گواہ ہے کہ جوں جوں تم وحشی شیرنی بنی جا رہی تھیں میرا دل فخر و مسرت کے مارے سینے سے نکلا جا رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا اس زمانے میں میری سحابی بس اپنی مثال آپ ہے۔ میں تمھارے لاجواب حسین کردار کا پرستار بنتا گیا۔ تمھارے حصول کی خاطر بعض بے تکی حرکتیں بھی کیں۔ جھوٹ بھی بولے۔ مگر میں نے امی سے معافی مانگ لی ہے۔ امی تو فرشتہ ہیں انھوں نے اپنے ایک محبت بھرے تبسم سے میری ساری نالائقیاں معاف کر دیں۔ شاہد بھی رازدار بن گیا۔ رضیہ نے بھی وعدہ کر لیا تھا کہ وہ آخر تک تم سے کچھ نہ کہے گی۔ وہ بہت اچھی بچی ہے۔ اس قابل ہے کہ ہمارے خاندان میں شامل ہو جائے۔۔۔"

سحابی کے حواس رفتہ رفتہ واپس آنے لگے۔ اس نے چپکے سے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے نکالنا چاہا۔ لیکن گرفت اور مضبوط ہو گئی۔

"میں نے آپ کی شان میں بہت سی گستاخیاں کی ہیں... مجھے معاف کر دیجئے" بے چاری سحابی نے شرم کے مارے رکتے رکتے کہا۔ کہتی بھی کیا۔ وہ دشمنِ جان تو اب دشمنِ ایمان بھی بن گیا تھا۔

"معاف کرنے کا کیا سوال ہے۔ انھیں پر میں نے جان دی ہے" فاران کا لہجہ بہت سنجیدہ ہو گیا "تم ایک مثالی لڑکی ہو۔ میں نے ہر طرح تمھیں آزمایا ہے۔ یقین کرو کہ اگر تم نے میری کسی بدمعاشی کی بھی پذیرائی کی ہوتی یا مجھے دیکھ کر مسکرائی ہوتیں یا میری کوئی سوغات قبول کر لی ہوتی تو نظروں سے گر جاتیں۔ سحابی! تم سچ مچ وہ روشنی ہو جس نے اجالا ہی اجالا بکھیر دیا ہے"

"آپ نے اپنا نام بھی تبدیل کر دیا" اب وہ نارمل ہو گئی تھی۔

"میرا اصلی نام احمد فواد ہی ہے۔ کیا تمھیں پسند نہیں۔ شاید جان آرتھر پسند ہو گا" وہ ہنسنے لگے۔ ان کے تبسم میں دنیا بھر کی چاہتیں رچی بسی تھیں۔

اور اس وقت سحابی کو اپنا بدترین دشمن دنیا کا بہترین دوست لگ رہا تھا۔

اپنی حسین تقدیر پر نازاں۔ اس نے اپنا خوشنما سر فاران کے بازو پر رکھ دیا۔ وہ بولے "شارب کی شادی کے فوراً بعد ہم سب ڈلہوزی چلیں گے مجھے بچے بہت یاد آ رہے ہیں"۔ "وہ تو میرے سب بچے ہیں" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔ پھر اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا (ختم شد)

# نسیم انہونوی

## کا وہ ناول

جو انھیں اپنی پیاری بیٹی ہی کی طرح پسند ہے
اور اسی لئے انھوں نے اس کا نام بھی

# نجم السحر

رکھا ہے اور اسے اپنی پیاری بیٹی نجم السحر
ہی کے نام پر معنون کیا ہے۔

## یہ ناول

ایک عرصہ سے نایاب تھا اب پھر بصرف کثیر اسے شائع کیا جا رہا ہے اور
امید ہے کہ آخر جنوری تک آ جائے گا۔

نجم السحر بھی کہکشاں ہی کی طرح
مشرقی اور مغربی تہذیب کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے اور اتنا دلچسپ ہے
کہ پڑھنے والے اسے شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر چین نہیں پاتے۔

ناشر :-
نسیم بک ڈپو لکھنؤ

# ساس کی دماغی کیفیت درست ہو گئی

محمودہ بیچاری بیاہ کر آئی تو چند ہی روز بعد ساس کا موڈ بگڑ گیا۔ جس چاؤ سے بہو لائی تھیں

یہ دیکھ کر کہ ان کا بیٹا بہو کو چاہنے لگا ہے انھیں بہو سے بغض للّٰہی ہو گیا۔ بیچاری محمودہ حیران تھی کہ

کس خطا پر ساس کا طرزِ عمل بدل گیا۔ کوئی بات ہوتی تو کچھ سمجھ میں آتی۔ اس بیچاری نے تو کبھی ایک لفظ بھی منھ سے نہ

ادب سے ساس کو سلام کرتی اور ادب ہی سے ان کے پاس بیٹھی رہتی۔

اسی طرح کافی دن گزر گئے وہ کب تک دلہن بنی رہتی۔ آخر کار اس نے گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع

کیا۔ ساس کی خدمت بھی کرنے لگی لیکن کوئی اثر نہ ہوا پھر کچھ عرصے بعد اس نے کہا۔ "امی جان اجازت ہو تو

میں باورچی خانے میں جا کر کچھ پکا دوں یہ ماما تو بس یوں ہی سا پکاتی ہے کھانا۔"

ساس نے گھور کر بہو کو دیکھا اور طنز بھرے لہجے میں کہا ــــ "اور تم تو گویا باورچن ہو ــــ"

بہو نے تلخ جواب دینا مناسب نہ سمجھا لجاجت سے بولی ــ "مجھے اس کا موقع تو دیجیے ــــ"

ساس چپ ہو رہیں اور محمودہ باورچی خانے میں چلی گئی اور اس روز تمام کھانے اس نے پکائے۔

اور جب دسترخوان پر کھانے چنے گئے تو ساس کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا انھوں نے حیرت سے بہو کو دیکھا

اور بولیں "بیٹی ایسے لذیذ کھانے تم پکا لیتی ہو۔ مجھے تو حیرت ہو رہی ہے میں بوڑھی ہو گئی مگر اتنے لذیذ کھانے

نہ پکا سکی کس سے سیکھا ہے تم نے یہ فن ــــ" محمودہ کا دل خوشی سے پھول گیا۔ وہ دسترخوان سے اٹھ کر کمرے میں گئی

اور الماری سے ایک کتاب لا کر ساس کے سامنے رکھ دی۔

"یہ کیا ہے بیٹی، حریمی دسترخوان" ــــ "ہاں امی جان یہ اسی کی بدولت ہو کر میں ایسے کھانے پکاتی ہوں"

"یہ ان سے مل گئی تجھے ــــ" ساس نے پوچھا ــــ محمودہ نے ہنس کر کہا "میری امی جان

حریم کی خریدار ہیں۔ یہ کتاب ادارہ حریم نے شائع کی تھی اور انھوں نے منگا کر مجھے دی تھی اس کتاب سے

میں بہت طرح کے کھانے پکا لیتی ہوں رفتہ رفتہ سب آپکو کھلاؤں گی۔

حریمی دسترخوان ہر لڑکی اور ہر خاتون کے مطالعہ میں آنا چاہیئے اسکے نئے اڈیشن کی قیمت صرف چھ روپے ہے

یہ کتاب نسیم بکڈپو لکھنؤ سے مل سکتی ہے۔